ماہنامہ

صدائے حسینی

Sada-e-Hussaini

حیدرآباد

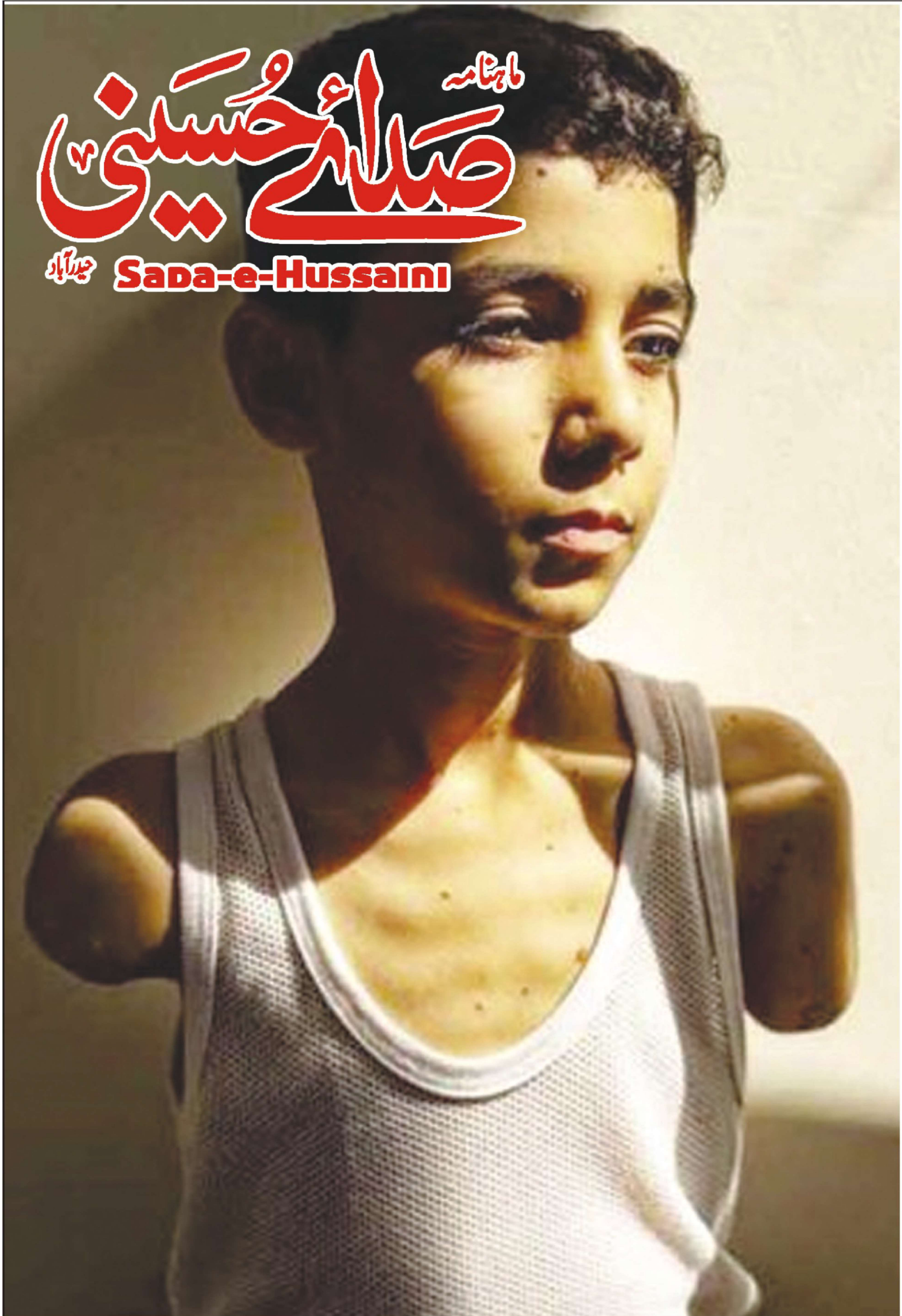

RNI No. APURD/2007/22816 Vol : 18 Issue : 04 Hyderabad. T.G. India. April 2025 Pages : 40 Rs. 10/-

حیدرآباد میں نمائندہ ولی فقیہ کی پروقار تقریب

حیدرآباد، 5اپریل (سفیر نیوز/صدائے حسینی): اسلامی جمہوریہ ایران کے نمائندہ ولی فقیہ کی روحانیت سے لبریز اور پروقار تقریب قونصلیٹ ایران، حیدرآباد میں منعقد ہوئی، جس میں علمائے کرام، دانشوران، اور مختلف مذاہب کے نمائندگان نے شرکت کی۔ حج الاسلام والمسلمین آغا مہدی مہدوی پور نے اپنی پندرہ سالہ خدمات پر شکرگزاری اور وداعی کلمات پیش کیے، جب کہ ایران کے قونصل آغا مہدی شاہ رخی نے ان کے دور کو ایران۔ہند تعلقات کا روشن باب قرار دیا۔ نئے نمائندہ ولی فقیہ، حج الاسلام والمسلمین ڈاکٹر عبدالمجید حکیم الٰہی نے علمی و ثقافتی روابط کو مزید فروغ دینے کے عزم کا اظہار کیا۔ تقریب میں آغا مہدوی پور کی خدمات پر مختلف علمائے کرام نے خطاب کیا، جن میں مولانا تقی رضا، آغا صاحب، علمائے کرناٹک و آندھرا پردیش، ریاض الحسن افندی (سابق ایم ایل سی)، صحافی سید جعفر حسین (صدائے حسینی)، عزیز احمد (اعتماد) اور دیگر ممتاز شخصیات شامل تھیں۔ مقررین نے ان کی بصیرت، اخلاص اور قیادت کو خراج تحسین پیش کیا۔

محترم ڈاکٹر اسلم عباس صاحب کے فرزند ڈاکٹر میثم عباس کی ولیمہ تقریب خواجہ منشن بنجارہ ہلز میں منعقد ہوئی اس موقع پر لی گئی تصویر میں جناب سید جعفر حسین ایڈیٹر روزنامہ صدائے حسینی، نوشہ کے دادا جناب عنایت اللہ سجن لال، ابراہیم صاحب، سید عبداللہ حسین ایڈیٹر ڈیموکریٹک نیوز ڈیلی اور دیگر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس تقریب میں علما اکرام، ڈاکٹرس، وکلا، تمام شعبہ حیات سے وابستہ اہم شخصیات کے علاوہ معزز حضرات شریک رہے۔

SADA E HUSSAINI
April 2025
Volume : 17 Issue : 4 Page : 40

اداریہ

انہدام جنت البقیع

دنیا بھر میں موجود حریت پسند آج جنت البقیع کے انہدام کے جانگداز المیہ پر اس دن کی یاد میں مجالس کا اہتمام کرتے ہیں مختلف پروگرامز اور احتجاجی جلسوں میں شریک ہوکر اپنا احتجاج درج کراتے ہیں کہ 8 شوال کی تاریخ اس دردناک واقعہ کی یاد کو تازہ کرتی ہے ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہونے آیا وہابیت وتکفیریت نے اس تاریخی قبرستان کو منہدم کر کے آنیوالے کل کیلئے اپنے خون خرابے کی سیاست کا اعلان کر دیا تھا یوں تو اس واقعہ کو رونما ہوئے ایک صدی ہوگئی لیکن جنت البقیع کے تاریخی قبرستان کو منہدم کر دینے کا غم آج بھی تازہ ہے وہ قبرستان جس میں رسول رحمتؐ کی بیٹی شہزادی کونین (بروایتے) اور ان کے ان فرزندوں کے مزارات مقدسہ تھے جنہوں نے بشریت کو علمی ارتقاو تکامل کا وہ وسیع وعظیم افق عطا کیا جس پر پہنچ کر آج انسان ان کے شاگردوں کے سامنے جھکا نظر آ رہا ہے کہ قال الباقر وقال الصادق کے موجزن علم کے ٹھاٹھے مارتے سمندر کہ کچھ قطرے جابر ابن حیان وہشام ابن الحکم نے بشریت کے حلقوم تشنہ میں ٹپکا دیئے تھے۔ کتنے عجیب خشک فکر اور کوڑھ مغز لوگ تھے جنہوں نے ان عظیم شخصیتوں کے مزارات مقدسہ کو زمیں بوس کر دیا جن سے کسی ایک مسلک ومذہب نے نہیں بلکہ بشریت نے استفادہ کیا اور آج تک کر رہی ہے۔

بقیع محض ایک قبرستان نہیں تھا جو ویران ہوا بلکہ ایک تاریخی دستاویز کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کر کے کچھ لوگوں نے اپنی نابودی کی سطریں رقم کی تھیں اور آج مذہبی وتکفیریت کے جنون میں بے گناہوں کو مار کر بہشت میں جانے کی آرزو اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ وہابیت وتکفیریت نے یہ چند مزارات مقدسہ کو مسمار نہیں کیا تھا انسانیت وشرافت کے تاج کو اپنے پیروں تلے روند کر دنیا کو بتلایا تھا کہ پہچانو ہم کون ہیں؟ ہمارا تعلق کس فکر سے ہے؟

جس طرح شیطان ہونے کے باوجود رحمانیت کے سامنے نابود ہے ویسے ہی یہ تکفیریت ووہابیت کے پتلے تعلیمات اہلبیت اطہار علیہم السلام اور بی بی زہرا سلام اللہ علیہا کے دئے گئے دربار خلافت میں تاریخی خطبہ کے سامنے نابود ونابود ہیں انکا وجود ویسے ہی ہے جیسے شیطان کا، یہ ہر اس جگہ گرجتے ملیں گے جہاں شیطان گرجتا ہے یہ ہر اس جگہ سے بھاگتے ملیں گے جہاں سے شیطان بھاگتا ہے۔ یہ جہاں توحید کی بات ہوگی جہاں سجدوں کی پاسداری کی بات ہوگی مشرکین سے برت کے اظہار کی بات ہوگی وہاں دم دبائے بھاگتے نظر آئیں گے لیکن جہاں مسلمانوں کے قتل عام کی بات ہوگی، معصوم بچوں پر بارود کی بارش کی بات ہوگی، نہتھے لوگوں کو خاک وخون میں غلطاں کرنے کی بات ہوگی انکے قدموں کے نشان نظر آئیں گے۔

سرپرست :
مولانا سید تقی رضا عابدی
چیف ایڈیٹر
مولانا سید ضیاء حسین
Patron :
Moulana Syed Taqi Raza Abedi
Chief Editor :
Moulana Syed Zia Hussain

Editor, Owner, Printer, Publisher By Syed Jaffer Hussain H.No. 18-7299/129, Moula Ka Chilla,
Aman Nagar (A), Yakuthpura, Hyderabad. T.S. 500 023.
Prinetd at Great Graphic,Chatta Bazar, Hyd. T.S. 500 023.

مضامین یا مراسلوں سے ماہنامہ صدائے حسینی کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ سبھی طرح کی تنازعات کا نپٹارا صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگا۔

میں بقیع ہوں

تحریر: سید حسین عباس

قل هل يستوى الذين يعلمون و الذين لا يعلمون

کہہ دیجئے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہوسکتے ہیں؟

اسی طرح خداوند عالم کی دیگر مخلوقات بھی فضیلت و کمالات کی بنیاد پر ایک دوسرے کے مساوی نہیں ہوتی اور ان کے درمیان بھی مختلف اسباب کی بناپہ درجہ بندی ہوتی ہے ۔ بسا اوقات دنیا کے شہروں اور زمینوں میں بھی بعض زمینیں ایسی ہوتی ہیں جن کی عظمت اور وقار تک دوسری زمینوں کی رسائی ممکن نہیں ہوتی اور ان کا یہ مقام خداوند عالم انہیں کسی خاص جہت سے عطا کرتا ہے جیسے مساجد چونکہ ان میں خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کا اپنا ایک خاص مقام ہے اسی طرح اگر کسی زمین پر خدا کے کسی خاص بندے کا قدم پڑ جائے یا اس جگہ اس کا مدفن ہو تو اس زمین کی عظمت میں چار چاند لگ جاتے ہیں اور دوسری کوئی زمیں اس کی برابری نہیں کرسکتی۔

میری خوش نصیبی اور عظمت و سر بلندی کا ادراک کوئی معمولی انسان نہیں کرسکتا کیونکہ خداوند عالم نے مجھے وہ مقام عطا کیا ہے جو دنیا کی کسی دوسری زمین کو حاصل نہیں ہے۔

میں ہی وہ خوش قسمت زمین ہوں جسے شہر مدینہ میں مسجد نبویؐ کے نزدیک جگہ ملی اور جس پر رسولؐ و آل رسولؑ کی خاص توجہ رہی اور وہ زیارت کو آیا کرتے تھے چنانچہ ہر شب جمعہ کبھی میں پیغمبر اکرم کے مبارک قدموں کی زیارت سے مشرف ہوتی

استغفر لِهلِ البقِيع طويلا

ہر شب جمعہ پیغمبر بقیع جایا کرتے اور وہاں مدفون افراد کیلئے طلب مغفرت فرماتے

تو کبھی بیت الاحزان میں بنت رسول کے قدموں کا دیدار کرتی، جب آپ اپنے بابا پر گریہ وزاری کے لئے وہاں آتی اور کبھی میں امام مظلوم کربلا کی قدم بوسی فرماتی

ان الحسين بن علِى كان يزور قبر الحسنِ فِى كلِ عشِي جمع

(امام حسین علیہ السلام ہر شب جمعہ امام مجتبیٰؑ کی قبر کی زیارت سے مشرف ہوتے۔ اور مجھے یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ میری مقدس زمین پہ جو بھی باایمان شخص دفن ہوگا وہ بغیر حساب جنت میں داخل ہوگا۔

میری فضیلت کے بارے میں شیعہ اور اہل سنت سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں۔ حدیث کے مطابق کل آخرت میں میرے ہی قبرستان سے ستر ہزار لوگ محشور ہونگے اور بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہونگے جن کے چہرے چودویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہونگے۔ میری آغوش میں تاریخ بشریت کی وہ بزرگ شخصیات آرام فرما ہیں جن پر خود خداوند عالم کو ناز ہے۔ جنکے صدقے میں کائنات کے ذرے ذرے نے وجود پایا ہے۔ جو اخلاق کا وہ سرچشمہ ہیں جنکا اٹھنے والا ہر قدم خدا پسندانہ، جن کا ہر فعل مطابق قرآن، جن کا ہر عمل معرفت کا دریا، جن کا ہر کام عین اسلام قرار پایا ہے، جن کی تطہیر و پاکیزگی پہ قرآن مجید کی مہر لگی ہوئی ہے

اِنما يرِيد الله لِيذهِب عنكم الرِجس اهل البيتِ و يطهِر كم تطهِيرا

(اللہ کا ارادہ بس یہی ہے کہ ہر طرح کی ناپاکی کو اہل بیت ! آپ سے دور رکھے اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔ جن کی نظیر رہتی دنیا تک ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

میری آغوش، عظمت وفضیلت کا وہ جزیرہ ہے جس کے نور سے دنیا کے اجالے بھیک پاتے ہیں ۔ میری زمین وہ گلشن ہے جسکے پھولوں سے سخاوت و بندگی کی خوشبو اٹھتی ہے۔ میری زمین ایک ایسی کان ہے جس میں علم وصداقت کے ذخیرے پوشیدہ ہیں۔ مختصر کہوں تو کون سی ایسی فضیلت ہے جو میری آغوش میں ان سونے والوں کے قدم نہ چھومتی ہو۔

سخاوت کی بات کروں تو وہ فرد لاجواب، وہ سخی ابن سخی کہ جس کا در تمام انسانوں کیلئے بے نظیر نمونہ تھا۔ وہ کریم کہ جس کے دروازے سے کبھی کوئی خالی پیٹ نہیں پلٹا، سخاوت کا وہ سمندر جس نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ آنے والا اپنا ہے یا پرایا بلکہ ہمیشہ ہر شخص کے لئے اس کا دسترخوان حاضر رہا، جس نے اپنی زندگی میں دو مرتبہ اپنا تمام سرمایا اور تین مرتبہ اپنی پوری دولت کا آدھا حصہ راہ خدا میں ہدیہ کر دیا۔ ایسا کریم انسان کہ جسے آل محمدؐ میں کریم اہل بیتؑ کا لقب ملا یعنی امام مجتبیٰ علیہ السلام، وہ میری ہی آغوش میں مدفون ہے۔

اگر بندگی کا تذکرہ ہو تو خداوند عالم کا وہ عبادت گذار بندہ کہ جب کبھی وہ عبادت و نماز کیلئے آمادہ ہوتا تو لرزہ اسکے وجود پر طاری ہو جاتا اور جب سبب پوچھا جاتا تو فرماتا: وائے ہو تم پر ! کیا تم جانتے ہو کہ میں کس ذات کے سامنے جا کر کھڑا ہونیوالا ہوں ! کس کیساتھ راز و نیاز کرنے جارہا ہوں!؟ جس کی عبادتوں اور سجدوں کا یہ عالم تھا کہ آج بھی دنیا اسے زین العابدین اور سید الساجدین کہہ کر پکارتی ہے. اسی حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام کا مرقد اطہر بھی میری ہی سرزمین ہے۔

میدان علم کا ذکر ہو تو علوم کو پھاڑنے والی اور علم و دانش کا سینہ چاک کر کے اس کے راز و رموز تک پہنچنے والی اور دنیا میں تنہا باقر العلوم کا لقب پانی والی بے مثال ذات جسے دنیا حضرت محمد ابن علی علیہما السلام کے نام سے جانتی ہے، ان کی مقدس اور پاک و پاکیزہ قبر بھی میری ہی زمین قرار پائی۔

جنت البقیع خالص اسلامی اور انسانی مسئلہ

تحریر: مولانا مصطفیٰ علی خان

یہ ہمارا فیصلہ ہے اور جو بھی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا یہ تعظیم اس کے دل کے تقوی کا نتیجہ ہوگی۔ شعائر اللہ یعنی ہر وہ چیز جس سے انسان کو اللہ کی یاد آئے اور معرفت وقرب پروردگار میں اضافہ کا سبب ہو۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں شعائر کے نمونے پیش کرتے ہوئے بعض کی جانب صراحت بھی فرمائی ہے۔ جیسے مناسک حج، صفا و مروہ اور قربانی کے جانور کو شعائر الٰہی بتایا ہے۔

بہر حال جس سے بھی انسان کو اللہ کی یاد آئے اور انسان اپنے اندر قرب خدا محسوس کرے اور معرفت پروردگار میں اضافہ کا احساس کرے تو وہی شعائر الٰہی ہے۔ اگر ہم اس نکتہ کی روشنی میں حضرت ابوجعفر امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث شریف کہ جسمیں آپ نے فرمایا۔ بِنا عبِدَ اللہ و بِنا عرِفَ اللہ و بِنا وحِدَ اللہ تبار و تعالہمارے سبب اللہ کی عبادت ہوئی اور ہمارے ہی سبب اللہ کی معرفت ہوئی اور ہمارے ہی سبب اللہ تبارک و تعالی کو ایک مانا گیا۔) اصول کافی، جلد 1، صفحہ 199)

اس حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کے سبب ہی انسان اللہ کا قرب پا سکتا ہے، دشمنان خدا اس حی القیوم کو تو ختم نہیں کر سکتے تھے لہذا انھوں نے اس کے نمایندوں کو شہید کیا نہ جانے کتنے انبیا اور مرسلین علیہم السلام راہ خدا میں شہید کر دئے گئے، خود ہمارے حضور سرکار ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ بھی شہید ہوئے آپ نے اپنی شہادت سے قبل حکم خدا سے اپنے بارہ معصوم اولیا اور خلفا کا اعلان کیا۔

وہ بارہ امام کہ جن میں پہلے امیر المومنین امام علی علیہ السلام، دوسرے کریم اہل بیت امام حسن علیہ السلام، تیسرے وارث انبیا امام الاحرار امام حسین علیہ السلام، اس کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام، امام محمد باقر علیہ السلام، امام جعفر صادق علیہ السلام، امام موسی کاظم علیہ السلام، امام علی رضا علیہ السلام، امام محمد تقی علیہ السلام، امام علی نقی علیہ السلام، امام حسن عسکری علیہ السلام، بارہویں اور آخری امام حضرت ولی عصر صلواۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلی آباۂ الطاہرین وعجل اللہ فرجہ الشریف ہیں۔ گیارہ اماموں کو دشمنان خدا نے شہید کر دیا، ہمارے بارہویں امام علیہ السلام زندہ اور پردہ غیب میں ہیں۔

قرآن کا فیصلہ ہے بلکہ یہ ایسی حقیقت ہے جو خالق موت کا اقرار نہیں کرتا وہ بھی یہ ماننے پر مجبور ہے کہ موت سے کسی کو فرار نہیں۔ موت کے سلسلہ میں عام تصور یہی ہے کہ موت انسان کا خاتمہ ہے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن یہ ان لوگوں کیلئے خاتمہ ہوگی جو دنیا میں لہو ولعب میں غرق ہو۔ لیکن جنکی زندگیاں اطاعت پروردگار میں بسر ہوں اور اسی اطاعت میں دنیا سے گذر جائیں یا راہ خدا میں قتل کر دئے جائیں تو وہ موت کو مات دے دیتے ہیں۔ اور جو لوگ راہ خدا میں قتل ہو جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔ (سورہ بقرہ، آیت 154) اسی طرح سورہ آل عمران آیت 169 میں ارشاد ہو رہا ہے۔ اور خبردار راہ خدا میں قتل ہونے والوں کو مردہ خیال نہ کرنا وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے یہاں رزق پا رہے ہیں۔

مذکورہ آیتوں سے واضح ہوا کہ قتل شہید راہ خدا کا خاتمہ نہیں بلکہ وہ زندہ رہتا ہے اگرچہ ہم ان کی زندگی کو نہ سمجھ سکیں اور شہید اپنے پروردگار کے پاس سے رزق پاتا ہے۔

دشمن نے ائمہ معصومین علیہم السلام کو قتل کر کے سوچا تھا کہ وہ ختم ہو جائیں گے لیکن راہ خدا میں ان کا قتل شہادت قرار پایا اور حی خدا نے انہیں حیات طیب وطاہر عطا کر دی کہ جس طرح جب وہ ظاہرا دنیا میں تھے تو قرب خدا کا وسیلہ تھے، اللہ کی معرفت کا ذریعہ تھے اسی طرح ان کی شہادت کے بعد ان کے قبور پاک کی زیارت زائر کو خدا سے قریب کرتی ہے اور معرفت خدا میں اضافہ کا سبب قرار پاتی ہے۔

اگر ہم یہ کہیں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ معصومینؑ کے روضے توحید پروردگار کی علامت ہیں۔ اسی لئے دشمنان توحید نے بنام توحید آپ کے مزارات کو منہدم کر دیا تا کہ لوگ خدا سے دور ہو جائیں اور دنیا میں بے دینی پھیل جائے۔

آل سعود نے اپنے اسی باطل نظریہ اور باطل مقصد کی خاطر 8 شوال سن 1344 ہجری کو جنت البقیع ویران کیا اور آج ایک سو ایک سال ہو گئے معصومین علیہم السلام کے قبور مبارک ویران ہیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ سو سال سے زیادہ عرصہ گذرنے کے بعد بھی یہ ویران ہیں کوئی ان مزاروں پر چراغ جلانے والا نہیں ہے۔

جنت البقیع کا مسئلہ خالص اسلامی اور انسانی ہے بلکہ اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ تحریک تعمیر جنت البقیع کا تعلق کسی دین اور مذہب سے نہیں بلکہ انسان کی فطرت اور اس کی غیرت اور احسان مندی سے ہے۔

دنیا کا دستور ہے وہ اپنے رہبروں اور محسنوں کی قبروں بلکہ دیگر آثار کا احترام کرتے ہیں، اسی جنت البقیع میں شیعہ عقیدہ سے قطع نظر مسلمانوں کے پانچویں خلیفہ راشد یعنی امام حسن مجتبی علیہ السلام کی قبر ہے، اسی جنت البقیع میں انسانی اقدار کے پاسبان واقعہ، واقعہ کربلا کے محافظ و مبلغ امام زین العابدین علیہ السلام کی قبر ہے، اسی جنت البقیع میں امامین باقرین وصادقین علیہما السلام کی قبریں ہیں جنہوں نے اسلامی عقائد واخلاق اور احکام کی تعلیم وتربیت فرمائی، نہ صرف شیعہ فقہ بلکہ دیگر چار فقہی مکاتب کے بانیان نے بھی بلا واسطہ یا با واسطہ آپ ہی سے کسب فیض کیا۔

انہدام جنت البقیع سے یمن کی تاراجی تک

تحریر: مولانا سید نجیب الحسن زیدی

دنیا بھر میں موجود حریت پسند آج جنت البقیع کے انہدام کے جانگداز المیہ پر اس دن کی یاد میں مجالس کا اہتمام کرتے ہیں مختلف پروگرامز اور احتجاجی جلسوں میں شریک ہو کر اپنا احتجاج درج کراتے ہیں کہ 8 شوال کی تاریخ اس دردناک واقعہ کی یاد کو تازہ کرتی ہے ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہونے آیا وہابیت و تکفیریت نے اس تاریخی قبرستان کو منہدم کر کے آنیوالے کل کیلئے اپنے خون خرابے کی سیاست کا اعلان کر دیا تھا یوں تو اس واقعہ کو رونما ہوئے ایک صدی ہو گئی لیکن جنت البقیع کے تاریخی قبرستان کو منہدم کر دینے کا غم آج بھی تازہ ہے وہ قبرستان جس میں رسول رحمتؐ کی بیٹی شہزادی کونین (بروایتے) اور ان کے ان فرزندوں کے مزارات مقدسہ تھے جنہوں نے بشریت کو علمی ارتقا و تکامل کا وہ وسیع و عظیم افق عطا کیا جس پر پہنچ کر آج انسان ان کے شاگردوں کے سامنے جھکا نظر آ رہا ہے کہ قال الباقر و قال الصادق کے موجزن علم کے ٹھاٹھے مارتے سمندر کہ کچھ قطرے جابر ابن حیان و ہشام ابن الحکم نے بشریت کے حلقوم تشنہ میں ٹپکا دیئے تھے۔

کتنے عجیب خشک فکر اور کوڑھ مغز لوگ تھے جنہوں نے ان عظیم شخصیتوں کے مزارات مقدسہ کو زمیں بوس کر دیا جن سے کسی ایک مسلک و مذہب نے نہیں بلکہ بشریت نے استفادہ کیا اور آج تک کر رہی ہے۔

بقیع محض ایک قبرستان نہیں تھا جو ویران ہوا بلکہ ایک تاریخی دستاویز کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کر کے کچھ لوگوں نے اپنی نابودی کی سطریں رقم کی تھیں اور آج مذہبی و تکفیریت کے جنون میں بے گناہوں کو مار کر بہشت میں جانے کی آرزو اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ وہابیت و تکفیریت نے یہ چند مزارات مقدسہ کو مسمار نہیں کیا تھا انسانیت و شرافت کے تاج کو اپنے پیروں تلے روند کر دنیا کو بتلایا تھا کہ پہچانو ہم کون ہیں؟ ہمارا تعلق کس فکر سے ہے؟

جس طرح شیطان ہونے کے باوجود رحمانیت کے سامنے نابود ہے ویسے ہی یہ تکفیریت و وہابیت کے پتلے تعلیمات اہلبیت اطہار علیہم السلام اور بی بی زہرا سلام اللہ علیہا کے دئے گئے دربار خلافت میں تاریخی خطبہ کے سامنے نابود و نابود ہیں انکا وجود ویسے ہی ہے جیسے شیطان کا، یہ ہر اس جگہ گرجتے ملیں گے جہاں شیطان گرجتا ہے یہ ہر اس جگہ سے بھاگتے ملیں گے جہاں سے شیطان بھاگتا ہے۔ یہ جہاں توحید کی بات ہوگی جہاں سجدوں کی پاسداری کی بات ہوگی مشرکین سے برت کے اظہار کی بات ہوگی وہاں دم دبائے بھاگتے نظر آئیں گے لیکن جہاں مسلمانوں کے قتل عام کی بات ہوگی، معصوم بچوں پر بارود کی بارش کی بات ہوگی، نہتھے لوگوں کو خاک و خون میں غلطاں کرنے کی بات ہوگی انکے قدموں کے نشان نظر آئیں گے۔

یقین نہ آئے تو دیکھیں شیطان کہاں ہنس اور گرج رہا ہے؟ کہیں یمنیوں کے سروں پر ہزاروں ٹن بارود برسا کر، کہیں انسانوں کی کھوپڑیوں سے فوٹبال کھیلتے ہوئے، کہیں عراق کی زمیں کو لہولہو کر کے کہیں شام کو ویرانے میں بدل کر کہیں نائجریا میں انصاف و عدالت کا گلا گھونٹ کر کہیں سعودی عرب میں شیخ النمبر کا سر قلم کر کے کہیں پاکستان و افغانستان کی زمینوں کو خون سے سیراب کر کے، کہیں دھماکوں کے درمیان کہیں شعلوں کے درمیاں کہیں لاش کے بکھرے ٹکڑوں کے درمیان تو کہیں کٹے ہوئے سروں کی نمائش کے درمیان، کہیں مسجدوں میں خون کی ہولی کھیلتے ہوئے تو کہیں امام بارگاہوں میں خوں چکا ہاتھوں کے ساتھ قہقہہ لگاتے ہوئیاس کے قہقہہ بڑھتے ہیں اس کی ٹولیاں آباد ہوتی ہیں کہیں داعش کا ہاتھ تھامے کہیں النصرہ کا کہیں القاعدہ و طالبان تو کہیں بوکو حرام و الاحرار و جند اللہ کا۔ سب کی آوازیں ایک جیسی، سب کے رنگ ایک جیسے، سب کا انداز ایک جیسا، یہ عصبیت کے پتلے، یہ نفرتوں کی آگ میں دہکتے آتشیں گولے، یہ عدم تحمل و برداشت کے دھویں میں کالے کالے سیاہ سائے، شیطان کے کارندے، یہ ابلیس کے ہم جولی نہیں تو اور کون ہیں؟ جنہوں نے انسانیت پر وہ ظلم ڈھایا کہ بس وہ ستم ڈھائے کہ الاماں یہ جدھر نکلے آگ اور دہشت کا ماحول لیکر نکلے جدھر پہنچے حیوانیت کا بھنگڑا کرتے پہنچے درندگی کا ناچ ناچتے پہنچے۔

کسی زمانہ میں کہیں پڑھا تھا شاید کارل مارکس نے اپنی شہرہ آفاق کتاب سرمایہ میں لکھا تھا زرا گر دنیا میں اپنے ایک گال پر خون کا دھبہ لے کر آتا ہے تو سرمایہ، سامراجیت کی شکل میں سر سے پیر تک، اپنے ہر ایک مسام سے خون ٹپکاتے ہوئے نمودار ہوتا ہے۔ بات صحیح ہے سامراجیت کی پوری تاریخ جارحیت، دوسرے ممالک پر قبضوں اور تسلط، لوٹ مار اور قتل عام سے عبارت ہے لیکن آج مطلع کارزار بدلا ہوا ہے سامراج اپنے مہروں کو قتل و غارت گری کا ننگا ناچ نچوانے کے لئے جو کچھ ان کی ضرورت ہے اسے پورا بھی کر رہا ہے اور پھر گول میز کانفرنسوں میں دنیا میں امن و امان کی باتیں بھی۔ آج سرمایہ داری کا مکھوٹا ضرور دنیا کی سپر پاور نے پہنا ہوا ہے لیکن حقیقت میں سرمایہ دارانہ نظام جان بوجھ کر اسلامی نظام شاہنشاہی کی صورت سعودی عرب کے حوالہ کیا ہوا ہے جس کی تاریخ ہی خون خرابے سے عبارت ہے وہ آج حرم امن الہی کا رکھوالا ہے جس نے اپنی بے بضاعتی سے مسجد النبی و بیت اللہ کو کشتوں سے پاٹ پاٹ دیا ہے۔ جس نے قرآنی تعلیمات کا گلا گھوٹنے میں کبھی کوئی دقیقہ فروگزار نہ کیا وہ قرآن ساری دنیا میں بانٹ کر وحی الہی کا دنیا میں نشر کرنے والا بن رہا ہے۔

☆☆☆☆

مولانا سید ولی الحسن رضوی اعظمی علم وتقویٰ کا پیکر

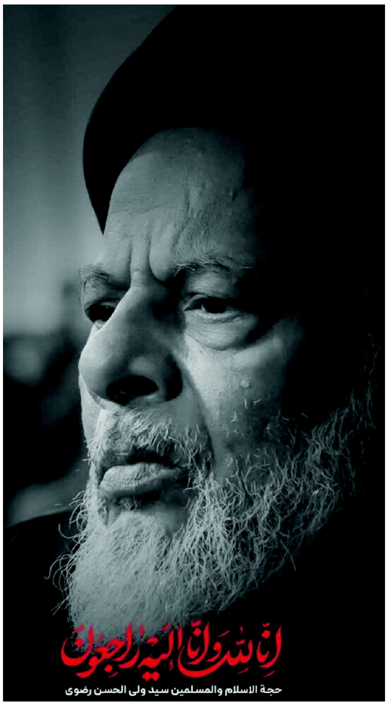

نہایت افسوس کے ساتھ یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ آیت اللہ سرکار شمیم الملت مولانا شمیم الحسن صاحب قبلہ سربراہ جامعہ جوادیہ بنارس کے بھائی حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید ولی الحسن رضوی ولی اعظمی صاحب کا قم ایران میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔مرحوم علم وتقوی کے پیکر، سنجیدگی ومتانت کی علامت اور مثالی معلم ہونے کے سبب استاد نمونہ کا اعزاز یافتہ تھے اور اپنی پوری زندگی دین کی خدمت میں بسر کی۔ان کی علمی و دینی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔اللہ ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے اور اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔آمین

آپکا مختصر تعارف اور زندگی نامہ ذیل میں پیش ہے:۔

نام: سید ولی الحسن رضوی

تخلص: ولی اعظمی

والد: آیت اللہ سید ظفر الحسن رضوی طاب ثراہ (حضرت گمنام اعظمی)

ولادت:۔ بنارس، اتر پردیش، ہندوستان

وطن: مٹھن پور، نظام آباد، ضلع اعظم گڑھ (اتر پردیش)

تعلیم: فاضل حوزہ علمیہ قم، ایران۔ایم اے (تاریخ) ایم اے (ادبیات فارسی)

مشغلہ: میں صدا و سیما تہران سے سبکدوش

پتہ: تہران، ایران

حجۃ الاسلام مولانا سید ولی الحسن رضوی اعظمی کا عہد حاضر کے محترم اور بزرگ علما میں شمار ہوتا تھا۔والدین کے زیر سایہ ابتدائی تعلیم حاصل کی۔چونکہ علمی ماحول میں نشو ونما ہوئی لہٰذا حصول علم اپنی زندگی کا خاصہ بنا لیا۔جامعہ جوادیہ بنارس میں داخلہ لیا اور وہیں سے عالم کی سند حاصل کی۔اس کے بعد دنیاوی تعلیم کا شوق پنپنے لگا تو نیشنل انٹر کالج میں داخلہ ہوا۔وہاں سے ہائی اسکول کرنے کے بعد ہریش چندر انٹر کالج سے انٹرمیڈیٹ کیا۔پھر علی گڑھ کا سفر کیا اور اپنے برادران بزرگ کی طرح اپنے برادر نسبتی مولانا ڈاکٹر سید محمد رضا نقوی کی نگرانی میں مسلم یونیورسٹی سے گریجویشن اور پھر پوسٹ گریجویشن تاریخ میں کیا۔اس طرح M.A کی سند حاصل کرنے کے بعد پھر بنارس آگئے۔یہاں آکر بنارس ہندو یونیورسٹی سے ادبیات فارسی میں M.A کی دوسری سند حاصل کی۔اکرام حسین پریس جو نشر و اشاعت کا اہم مرکز تھا اس سے وابستہ ہوگئے اور گراں قدر خدمات انجام دیں۔اسی زمانہ میں جامعہ جوادیہ سے نکلنے والے ماہنامہ الجواد کی اشاعت کے امور بھی بہتر طور پر انجام دیتے رہے۔

آیت اللہ سرکار ظفر الملت کے انتقال کے بعد سرکار شمیم الملت مدظلہ العالی کی ایما پر اعلی دینی تعلیم کے لئے میں قم المقدسہ ایران تشریف لے گئے، وہاں مدرسہ حجتیہ میں قیام رہا۔اس زمانہ میں اعلی اساتذہ سے کسب فیض کرتے رہے۔سے تک قم سے نکلنے والے علمی، فکری اور ادبی رسالہ توحید کی ادارت فرمائی۔اس زمانہ میں مضامین بھی کثرت سے لکھے اور تراجم بھی کئے۔میں تہران ریڈیو اسٹیشن کی اردو سروس سے وابستہ ہوئے۔اور پھر وہیں ٹیلی ویژن سے بھی مسلسل پروگرام نشر کرتے رہے۔آپ نے تاریخی مواقع پر خصوصی پروگرام کے علاوہ بچوں کے علمی وفکری ذوق کی تشویق کے لئے مختلف پروگرام بنائے یہ سلسلہ تک بحسن و خوبی جاری رہا۔اسی درمیان مقام معظم رہبری کی اردو ویب سائٹ کی نظارت بھی فرماتے رہے۔

ایک شخص ایک وقت میں اچھا نثر نگار ہوسکتا ہے یا بہترین شاعر مگر بیک وقت دونوں خوبیوں کو اپنے اندر سمیٹ لینا یہ ہنرمندی ہے جو چیدہ چیدہ افراد میں ہی میسر آتی ہے۔

الحمد للہ حضرت ولی اعظمی نے نثر میں قلم اٹھایا تو بے شمار مضامین کا ذخیرہ لگا دیا۔اور نظم میں طبع آزمائی کی تو ضخیم مجموعہ یکجا کرلیا۔جب تک سانس چلتی رہی قلم میں جنبش رہی اور تحریری سلسلہ بھی جاری رہا۔آپ کی تالیفات کے علاوہ جو سب سے گراں بہا کارنامہ ہے وہ تفسیر ظفر البیان ہے۔یہ تفسیر تہران سے نشر ہونے کے ساتھ ساتھ ماہنامہ الجواد بنارس میں بھی قسط وار شائع ہو رہی ہے۔اسکے علاوہ بسیار مقالے اور مضامین ہندوستان اور پاکستان کے معتبر جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔میں قم کے فاضل طلبا کی تحقیقات کی رہنمائی کرنے کی بنیاد پر حوزہ علمیہ قم سے مثالی معلم ہونے کے سبب استاد نمونہ کا اعزاز بھی ملا۔

شاعری ورثہ میں ملی تھی اور شہر بنارس کا ادبی ماحول بھی معین بنا۔ابتدا سے ہی شعر گوئی کی مشق جاری تھی۔رفتہ رفتہ ایک پختہ اور معتبر شاعر کے طور پر شہر بنارس اور اطراف میں شہرت حاصل کی۔آپ نے قصیدے کہے اور تمام لوازمات کے ساتھ کہے۔رفتہ رفتہ موقعیت کے پیش نظر طرحی محافل میں منقبتیں پیش کرتے رہے۔مختلف موضوعات پر نظمیں بھی کہی ہیں۔مثنوی روم کا اردو منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔قطعات اور سلام بھی کہے ہیں۔(ماخوز از خانوادہ گمنام کے نامور شعرا ،مولفہ نصیر اعظمی علیگ)

جناب سید جعفر حسین کا تعزیت پیغام

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید ولی الحسن رضوی ولی اعظمی صاحب کے انتقال کی خبر سن کر علمی و مذہبی حلقوں میں گہرے رنج وغم کی لہر دوڑ گئی۔

مرحوم ایک مثالی استاد، خطیب نوانا اور منفرد شاعر تھے، جن کی علمی وتبلیغی خدمات ہمیشہ قوم وملت کے لئے مشعل راہ رہی ہیں۔مرحوم نے خاص طور پر جوانوں کے مسائل و مشکلات کے حل اور طلاب علوم دینی کے فہم و فراست کے ارتقا میں نمایاں کردار ادا کیا۔ان کے بیانات اور خطبات علمی وفکری سطح پر لائق تحسین تھے۔وہ دینی و دنیاوی علوم میں اعلی مقام رکھتے تھے جس کا ثبوت ان کے مقالات، تالیفات اور اشعار میں بخوبی نظر آتا ہے۔جناب سید جعفر حسین ایڈیٹر روزنامہ صدائے حسینی نے مولانا سید ولی الحسن رضوی ولی اعظمی صاحب کے انتقال پر انکے تمام پسماندگان، بالخصوص ان کے برادران، فرزندان، مراجع کرام، علمائے عظام اور طلاب کی خدمت میں تعزیت وتسلیت پیش کی ہے سید جعفر حسین نے دعا کی کہ اللہ تعالی مرحوم کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے اور مرحوم جنت الفردوث میں اعلی مقام عطا کرے آمین۔

راہِ انسانیت کا مسافر

یہ سفر آج کا نہیں ہے۔۔۔ یہ تو بہت پرانا ہے۔۔۔ صدیوں پرانا۔۔۔ قافلے بدلتے گئے، مسافر آتے رہے، جاتے رہے۔۔۔ مگر راہ ایک ہی رہی۔۔۔ انسانیت کی راہ۔۔۔ محبت کی راہ۔۔۔ دین کی اصل روح والی راہ۔۔۔

آج آقائی مہدوی پور جا رہے ہیں۔۔۔ مگر وہ اکیلے کہاں تھے اس راستے پر۔۔۔؟ ان سے پہلے بھی تو ایسے لوگ گزرے ہیں۔۔۔ ایسے چراغ۔۔۔ ایسے مسافر۔۔۔ جو اپنے وقت میں خاموشی سے نکلے، اور بستیوں، محلوں، انسانوں کے دلوں میں اتر گئے۔

مجھے یاد آتا ہے ایک قافلہ۔۔۔ جس کا نام تھا جمال الدین اسد افغانی۔۔۔ جو مشرق سے مغرب تک سفر کرتا رہا۔۔۔ قوموں کو جگاتا رہا۔۔۔ سوئے ہوئے ضمیر کو ہلا کے رکھ دیا۔۔۔ اس کے قدم کہیں کسی فقیر کے دل پر بھی پڑے، اور کسی بادشاہ کے تخت پر بھی۔

پھر قاضی نور اللہ شوستری۔۔۔ شہید ثالث۔۔۔ ہندوستان کی مٹی میں خون ملا کے دین کی اصل تصویر چھوڑ گیا۔۔۔ وہ منبر پر بھی بولا، مدرسے میں بھی بیٹھا، عدالت میں بھی کھڑا ہوا، اور جب وقت آیا تو مسکرا کے شہادت قبول کی۔۔۔ مگر نفرت کے بازار میں محبت کی بولی بند نہ ہونے دی۔

اور میر سید علی ہمدانی۔۔۔ کشمیر کی وادیوں میں گھومنے والا وہ چراغ۔۔۔ جس نے دین کے ساتھ ادب دیا، صنعت دی، تہذیب دی، اور انسان دوستی کا ایسا بیج بویا کہ آج تک اس کی خوشبو پہاڑوں سے ہو کر اترتی ہے۔

یہ سب اسی راستے کے مسافر تھے۔۔۔ یہی قافلہ تھا۔۔۔ یہی کارواں تھا۔۔۔

اور آج۔۔ جب ہم آقائی مہدوی پور کو دیکھتے ہیں تو لگتا ہے جیسے وہ اسی قافلے کے آخری قدموں کی آواز ہیں۔۔۔ وہ بھی اسی روایت کے مسافر تھے۔۔۔ خاموش، خدمت گزار، دلوں میں اترنے والے

آقائی مہدوی پور۔۔ ہندوستان کی سرزمین پر ایک ایسا مسافر، جو کشمیر کی ٹھنڈی وادیوں سے لیکر کنیا کماری کے گرم ساحلوں تک گیا۔۔

جنوب کے گاں میں بھی رکا، شمال کے پہاڑوں میں بھی چلا۔۔۔

مشرق کے کنارے بھی دیکھے، مغرب کے کونے بھی دیکھے۔۔۔

وہ جہاں بھی گئے، لوگوں کو بہت قریب سے دیکھا۔۔۔ ان کے چہرے پڑھے۔۔۔ ان کی باتیں سنیں۔۔۔ ان کے دکھ سنے۔۔۔ ان کی خاموشی کو سمجھا۔۔۔

اور بس

جہاں درد دیکھا، وہاں مرہم ڈھونڈا۔۔۔

جہاں کوئی تنہا ملا، اسے سہارا دیا۔۔۔

جہاں کوئی ٹوٹا ہوا نظر آیا، وہاں دل جوڑنے کی سبیل نکالی۔۔۔

وہ کسی کو اس کے مذہب سے نہیں تولتے تھے، نہ ذات دیکھتے تھے، نہ فرقہ پوچھتے تھے۔۔۔

بس انسان دیکھتے تھے۔۔ اور انسان کے دل تک پہنچ جاتے تھے۔

وہ مسجد میں بھی بیٹھے، مزار پر بھی رکے، مندر کے آنگن میں بھی گئے، گردوارے کی دہلیز پر بھی، چرچ کے دروازے پر بھی۔۔۔

بس محبت بانٹی، عزت دی، احترام دیا، دعا دی۔۔۔

اور یہ سب ایسے کیا جیسے یہ سب کچھ دینا، ان کی فطرت ہو۔۔۔ جیسے وہ اسی کام کے لیے زمین پر بھیجے گئے ہوں۔۔

وہ جہاں گئے، محبت لے کر گئے۔۔۔ وہ جہاں بیٹھے، سکون لے کر بیٹھے۔۔۔ انہوں نے نہ مکتب کی دیوار دیکھی، نہ مسجد کا دروازہ گنا، نہ کسی کے عقیدے کا بوجھ تولا۔۔۔ بس انسان دیکھا۔۔۔ انسان کے دل میں جگہ بنائی۔

وہ مسجد میں بھی اترے، مدرسے میں بھی۔۔۔ مزار کی سیڑھی پر بھی بیٹھے، آشرم کی گلی میں بھی۔۔۔ کہیں مندر کے پنڈت کے سامنے، کہیں گرجے کے پادری کے برابر، کہیں گردوارے کے سنت کے ساتھ۔۔۔

یوں سمجھو۔۔۔

وہ صرف مسجدوں میں خطاب کرنے کے قائل نہیں وہ دلوں کے مسافر تھے۔ وہ منبر سے نہیں، مزاج سے جوڑتے رہے

انہوں نے مومنین کے بیچ جیسے کوئی نرم دھاگا ڈال دیا تھا خاموش، مگر مضبوط۔

اختلاف کی دیواروں پر مسکراہٹ کے گلاب اگا دیے تھے۔

انہوں نے علما کے درمیان محبت واخوت کی روح پیدا کی۔

بات بات پر بکھرنے والے لوگوں کو، ایک نظرِ محبت سے

سمیٹ لینا انہیں خوب آتا ہے۔

ان کی محنت کتابوں میں نہیں، دلوں میں لکھی جاتی رہی

آقائی مہدوی پور کا کام صرف سفارت خانوں کی دیواروں تک محدود نہیں تھا۔۔۔

وہ صرف میٹنگ روم کے آدمی نہیں رہے۔۔۔

وہ تو دلوں کے درمیان بیٹھنے والے مسافر تھے۔۔۔

لوگوں کے بیچ رہنے والے، ان کی آنکھوں میں جھانکنے والے، اور دلوں کے دروازے کھٹکھٹانے والے۔۔۔

انہوں نے ایران اور ہندوستان کے درمیان صرف سرکاری کاغذوں پر رشتے نہیں بنائے۔۔۔

بلکہ دل سے دل کا رشتہ بنایا۔۔۔

محبت کا راستہ نکالا۔۔۔

اعتماد کا پل باندھا۔۔۔

اور ایک عجیب بات یہ تھی کہ وہ جب بھی ہندوستانی جوانوں، طالب علموں، یا عام لوگوں سے ملتے تو یہی کہتے:

اپنے وطن سے پیار کرو۔۔۔ اپنی زمین کی قدر کرو۔۔۔ یہ مٹی تمہاری پہچان ہے، اس کی حفاظت کرنا تمہارا فرض ہے۔۔۔

ایران سے آئے تھے مگر ہندوستانیوں کو ہندوستان سے محبت سکھاتے تھے۔۔۔

اور ایران والوں سے کہتے تھے:

ہندوستان کو صرف ایک ملک نہ سمجھو، یہ تہذیب ہے، ثقافت ہے، محبت ہے۔۔۔ اس کے لوگوں کو سمجھو، ان سے جڑو۔۔۔

اور بس یہی ان کا سفر تھا۔۔۔

کبھی دہلی میں، کبھی لکھنؤ میں، کبھی ممبئی میں، کبھی کشمیر میں۔۔۔

جدید عہد میں میرا انتخاب فقہ جعفری ہی کیوں؟

تحریر: ڈاکٹر نذر حافی

کیا آپ کو آزادانہ طور پر سوچنا، سمجھنا اور حقیقت تک پہنچنا پسند ہے؟ اگر ایسا ہے تو یقین رکھیے کہ فقہِ جعفری کے سوا آپ کو یہ دولت کہیں اور نہیں ملے گی۔ آزادانہ طور پر سوچنا، سمجھنا اور حقیقت تک پہنچنا یہ صرف آپ کی تمنا نہیں بلکہ ہر باشعور انسان کا فطری مطالبہ ہے۔ چاہے آپ بینکار ہوں یا صحافی، انجینئر ہوں یا طبیب، قانون دان ہوں یا معلم، طالب علم ہوں یا کسی کے ہمسفر۔۔۔ کیا آپ کو لکیر کا فقیر بننے سے نفرت نہیں؟ ہم آزادانہ طور پر اپنی دنیا کو سنوارنا چاہتے ہیں اور آخرت کو نجات کا گلشن بنانا چاہتے ہیں۔ میرے خیال میں ہمیں اپنے آپ سے کم از کم اپنی زندگی میں ایک بار یہ سوال ضرور پوچھنا چاہیئے کہ کیا قرآن اور اہلِ بیت کے بغیر ہماری دنیا اور آخرت سنور سکتی ہے۔؟ ویسے ایک مسلمان ہونے کے ناتے اتنا تو ہم سب تسلیم کرتے ہیں کہ جس طرح پیچیدہ سائنسی مسائل کے حل کے لیے ماہرین کی رہنمائی ناگزیر ہے، ویسے ہی روحانی اور معاشرتی زندگی کی پیچیدگیوں کے لیے بھی قرآن اور اہلِ بیتؑ سے ہدایت لینا ضروری ہے۔ پھر ہم اس پر کیوں نہیں سوچتے کہ آج کے دور میں قرآن اور اہلِ بیت کا وہ حسین امتزاج کہاں ہے کہ جس سے ہمیں رہنمائی لینی چاہیے؟

ہماری ساری دنیا میں اس وقت صرف فقہ جعفری کو ہی قرآن اور اہلبیت کی تعلیمات کا مجموعہ ہونیکا شرف حاصل ہے۔ فقہ جعفری کا اجمالی تعارف یہ ہیکہ یہ وہ فقہی نظام ہے، جو تقلیدِ جامد اور اندھی تقلید کو رد کرتے ہوئے عقلِ انسانی کو وحی کے تابع رکھتا ہے، مگر ساتھ ساتھ عقل کے کردار اور انسان کے سوال کرنے کے حق کو سو فیصد تسلیم کرتا ہے۔ یہاں احکام کی بنیاد صرف ظاہر الفاظ پر نہیں، بلکہ ان اصولوں پر ہے، جو عقلِ سلیم، مقاصدِ شریعت اور قرآنی مزاج سے ہم آہنگ ہوں۔ تقیید، تخصیص، قرائن، سیاق وسباق، عرف، عقل منبعی وعقل مصباحی۔ یہ تمام ذرائع اس فقہ میں فعال کردار ادا کرتے ہیں، بالکل ویسے ہی جیسے جدید قانون سازی میں عقلی اصول' اجتہادی راستے اختیار کیے جاتے ہیں۔

سوچنے اور سمجھنے والوں کی دنیا میں فقہِ جعفری کا یہ بہت بڑا امتیاز ہے کہ اس میں نہ تو جہاد کوئی تجارت ہے اور نہ اجتہاد کوئی پیشہ۔ یہاں فتوے ڈالروں کے عوض نہیں بکتے، بلکہ فتووں کو علم، تقوی اور دلیل کے ترازو پر تولا جاتا ہے۔ اس صدی میں فقہِ جعفری نے ہر مسلمان کے سامنے یہ سوال کھڑا کر دیا ہے کہ کیا کسی ایسے فتوے یا مفتی کو قابلِ اعتماد سمجھا جا سکتا ہے، جو امت کے مفادات کے بجائے سامراجی مفادات کی حفاظت کر رہا ہو؟ فقہِ جعفری امت کے درمیان ہر فتنہ انگیز روش سے خود کو الگ رکھتی ہے اور دین کو استعماری ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کرنے کے خلاف ایک مضبوط فکری دیوار قائم کرتی ہے۔ دینی مدارس اور علمی کانفرنسز میں مراجعِ تقلید، جو اس فقہ کے اعلی نمائندے ہیں، اپنی اجتہادی آرا اور فقہی منہج میں زمانی اور مکانی تغیرات کو مکمل طور پر ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ سائنس، طب، بینکاری، سیاست اور جدید ٹیکنالوجی جیسے میدانوں میں فقہِ جعفری کے پاس ایسے جوابات موجود ہیں، جو انسانی فطرت، معاشرتی ضرورت، جدید سماج اور کتاب وسنت دونوں سے ہم آہنگ ہیں۔ شیعہ علما اور فقہا اس میں سرگرداں نہیں ہوتے کہ کوئی سوال یا مسئلہ یہ مسئلہ پہلے کبھی تھا یا نہیں بلکہ یہ دیکھا جاتا ہیکہ شفاف طریقے سے یعنی مجتہد یا عالم کی ذاتی رائے اور میلان کے بغیر کتاب وسنت نے چودہ سو سال پہلے آج کے انسان کیلئے اس حوالے سے کیا رہنمائی فراہم کی ہے۔ چنانچہ فقہ جعفری کوئی مجرد فقہی احکام کی فقہ نہیں، بلکہ یہ ہر دور کے انسان کی ایک معاشرتی ضرورت ہے۔ ہمیں فراخدلی کیساتھ یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ کوئی بھی فقہ، جو انسان کے انفرادی واجتماعی حقوق کی ضامن نہ ہو، وہ نہ قابلِ عمل ہے، نہ قابلِ اعتماد۔

صدیوں سے فقہِ جعفری میں انسانی حقوق، تعلیم وصحت کے مسائل، عورت کے حقوق، اقلیتوں کے تحفظ، آزادیِ فکر اور شہری مساوات جیسے موضوعات پر متوازن، عقلی اور اصولی موقف اپنایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس فقہ میں انسان کی حرمت اور حق کو خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اسے ہر حال میں بالاتر تسلیم کیا گیا ہے۔ یہی وہ اصول ہے، جو جدید انسانی حقوق کے عالمی منشور سے بھی ہم آہنگ ہے۔ تحقیق، مکالمہ، رواداری۔۔۔ یہ سب اس فقہی سوچ کے بنیادی اجزائے ترکیبی ہیں۔ مذکورہ فقہ میں سوال اٹھانا نہ صرف جائز ہے بلکہ مطلوب اور ضروری ہے، کیونکہ بغیر سوال کے کوئی فہم جنم نہیں لیتا اور بغیر تحقیق کے کوئی ایمان پختہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے فقہِ جعفری کا دامن ان اذہان کو اپنی جانب کھینچتا ہے، جو تقلید کے ساتھ تفکر کو بھی دین کا حصہ سمجھتے ہیں۔

یہ فقہ نہ صرف عقائد وعبادات کا احاطہ کرتی ہے بلکہ معاملات، فلسفہ، کلام، اخلاق اور معاشرتی سائنس جیسے موضوعات پر بھی بھرپور رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ قدیم مسائل جیسے تقدیر و اختیار، توحید و امامت کے ساتھ ساتھ جدید ترین مباحث جیسے مصنوعی ذہانت، جنس کی تبدیلی اور اعضا کی پیوندکاری پر بھی یہ فقہ روشن فکرانہ، عقلی اور شریعت پر مبنی آرا پیش کرتی ہے۔ جس طرح قرآن مجید قیامت تک کے لیے ہدایت ہے، اسی طرح فقہِ جعفری قیامت تک کیلئے اس قرآن کی عملی تفسیر ہے، جو زمان ومکان کی ہر تبدیلی کے ساتھ اپنا نور بانٹتی ہے۔ یہ نور صرف عبادات یا اخلاقیات تک محدود نہیں، بلکہ زندگی کے ہر پہلو کو منور کرتا ہے۔ حدیث و روایت کے باب میں بھی اس فقہ کی علمی دیانت اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں نہ صرف راویوں کی سند پر تحقیق کی جاتی ہے، بلکہ روایت کے متن کو بھی عقل، قرآن اور سیرتِ نبویؐ کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔

اسی لیے اہلِ تشیع میں فتوی دینا عام علما کا کام نہیں، بلکہ وہی لوگ یہ ذمہ داری اٹھاتے ہیں، جو علم وتقوی کی اعلی سند رکھتے ہوں۔ انہیں مراجعِ تقلید کہا جاتا ہے۔ ایسے رجالِ دین جو صرف مذہبی پیشوا نہیں، بلکہ فکری، اخلاقی اور سماجی رہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔ فقہ جعفری درحقیقت نبیؐ کی سنت، قرآن اور اہلِ بیت کی تعلیم کا مجموعہ ہے۔ اسے فقہ جعفری اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ یہ فقہ امام جعفر صادقؑ کے ذریعہ مدون، منظّم اور عام ہوئی، حالانکہ اس کا اصل ماخذ قرآن کریم اور نبی کریمؐ ہی کی تعلیمات ہیں۔ المختصر یہ کہ فقہ جعفری دراصل "علمِ قرآن اور علمِ نبویؐ کا ہی بہتا ہوا دریا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے اس دریا کو علمی وعقلی اصولوں، روایتی وسماجی بنیادوں اور اجتہادی بصیرت کے ساتھ منظّم صورت میں پیش کیا، اس لیے یہ فقہ ان کے نام سے منسوب ہوئی۔

صاحبانِ دانش کیلئے عرض کروں کہ کسی علم کی نسبت اگر نام کے ساتھ جڑ جائے تو وہ اس کے ماخذ کی نفی نہیں بلکہ وہ نسبت اس علم کو نکھار کر زمانے کے فہم کے قابل بنانے والے کی پہچان ہوتی ہے۔ مزید آسان الفاظ میں یہ کہ کسی علم یا کتاب کا انتساب اگر کسی شخصیت کے نام ہو تو یہ اس کے اصل مصنف کی تردید نہیں ہوتی۔ امام جعفر صادقؑ نے دراصل علم قرآن وعلمِ نبوی کو آیت وروایت سے نکال کر نظامِ حیات کے قالب میں ڈھالا ہے۔ کسی علم کی تاریخ اگر کسی خاص ہستی سے منسوب ہو جائے تو یہ نسبت نہ اس علم کے ماخذِ اول کی نفی ہے اور نہ اس کی حقیقت کی تبدیلی۔

سلام میں نکاح کی اہمیت اور افادیت

تحریر: طلال علی مہدوی

انسانی زندگی ایک اجتماعی امر ہے اور انسان کو ہر مرحلے پر کسی نہ کسی دوسرے شخص کی ضرورت ہوتی اور اس ضرورت کو پر کرنے کیلئے بہترین ذریعہ کنبہ اور خاندان ہے اور اس کنبے اور خاندان کی تشکیل کیلئے اسلام حتی کہ ہر مذہب کے پیشِ نظر بہترین طریقہ رشتہ ازدواج، یعنی شادی ہے۔

رشتہ ازدواج کا معنی و مفہوم ہے کہ ایک مرد اور عورت کا نکاح کے عمل کے ذریعے ایک ایسے رشتے سے منسلک ہو جانا جس میں وہ جسمانی اور روحانی طور پر ایک دوسرے کی حیات میں شریک ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ایک ایسے جائز رشتے میں بندھ جاتے ہیں جس کے بعد وہ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی ایک ہی چھت تلے بتا سکیں۔ اور ایک دوسرے کے نامحرم سے محرم میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

قرآن و روایات میں رشتہ ازدواج کی بے پناہ اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے اور گاہے بگاہے خوب تاکید کی گئی ہے۔

جیسا کہ فرمان رسالت مآب ہے: نکاح میری سنت ہے، جو بھی اس سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں۔

یعنی نکاح کا عمل مسلمان کے ایمان کی تکمیل کی ضمانت ہے کہ اسکے بعد انسان بہت سے گناہان کبیرہ سے محفوظ رہتا ہے کہ جنکی جانب انسان کا نفس اسے مائل کرتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام کا فرمان ذیشان ہے: شادی شدہ فرد کی دو رکعت نماز غیر شادی شدہ افراد کی 70 رکعت سے افضل ہے۔

یعنی یہ عمل خدا کے نزدیک اس قدر محبوب ہے کہ خدا اس عمل کو انجام دینے والے شخص کو ہر قسم کے انعامات سے نوازتا ہے اور اس کے اعمال کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے۔

ایک اور مقام پر پیغمبر اسلام کا فرمان ہے کہ کوئی بھی شخص اگر ابتدائے جوانی میں شادی کر لے تو شیطان نالہ کناں ہوتا ہے۔

یعنی یہ عمل ہر اس وسوسے اور خیال سے محفوظ رکھتا ہے کہ جس کے ذریعے شیطان ایک جوان کو خدا سے منحرف کر دیتا ہے۔

اس کے علاوہ تاریخ میں ایک واقع کچھ اسطرح یہ درج ہے کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک بہت متقی و پرہیزگار شخص ہوا کرتا تھا جس نے اپنی زندگی خدا کی عبادت میں صرف کر دی مگر وہ غیر شادی شدہ رہا اور اس ہی عالم میں اسکا انتقال ہو گیا۔ اسکی موت کے بعد اس شخص کے عزیز نے اسے خواب میں دیکھا۔ اس دوست نے اس متقی سے پوچھا: "بتا برزخ و موت کے معاملات کیسے رہے؟

اس متقی نے جواب دیا: خدا نے مجھے بہت سے انعامات و اکرام اور عظیم ترین مقام سے نوازا مگر ایک مقام کی حسرت رہ گئی جس سے خدا نے مجھے محروم رکھا ہے۔

پوچھا: وہ کونسا مقام ہے؟

جواب دیا: وہ، وہ مقام ہے جسے خدا نے صرف شادی شدہ پرہیزگاروں کیلئے مختص فرمایا ہے۔"

لہٰذا متقی و پرہیزگار افراد بھی اگر غیر شادی شدہ ہیں تو وہ خدا کی نظر میں معتبر تو ہیں مگر ایک شادی شدہ متقی کی اہمیت اس قدر ہے کہ جنتی بھی ان کے مقام کو دیکھ کر حسرت اور رشک کرینگے۔

اب قرآن کی جانب نگاہ کریں تو سورہ مبارک روم آیت 21 میں ارشاد ہوا کہ خدا نے تمہیں جوڑوں میں پیدا کیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے سے آرامش اور سکون حاصل کرو۔

یعنی کہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا ہر انسان کیلئے امر الٰہی ہے اور اس کے ہی ذریعے خدا نے انسان کی زندگی میں ذہنی، روحانی و جسمانی سکون قرار دیتا ہے اور جس نے اس عمل سے انحراف کیا گویا اس نے خدا کے امر سے انحراف کیا یعنی کہ اس نے خدا سے انحراف کیا۔

اور اسی طرح سورہ مبارک روم میں ہی ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے کہ یہ شیطان کا وسوسہ ہے کہ وہ تمہیں فقر کا وعدہ دے کر خوفزدہ کرتا ہے اور برائیوں کی دعوت دیتا ہے مگر اللہ مغفرت، فضل اور احسان کا وعدہ کرتا ہے اور وہ تمہارے حال سے واقف ہے۔

یعنی جو افراد اس خوف سے شادی سے فرار اختیار کرتے ہیں کہ کنبے اور اہل عیال کے اخراجات انہیں تنگ دستی میں دھکیل دیں گے ایسے افراد کو خدا ترغیب دلا رہا ہے کہ یہ امر الٰہی ہے اور تمہارے رزق اور تمہارے اہل و عیال کے رزق کا ضامن خدا ہے لہٰذا تم بس صحیح نیت کے ساتھ اس کا حکم انجام دو اور کوشش کرو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

علاوہ ازیں شادی کو مختلف ثقافتی اور سماجی تناظر میں دیکھا جائے سائنسدانوں، فلسفیوں، دانشوروں اور نفسیاتی ماہرین نے اس موضوع پر گہرائی سے تحقیق کی ہے اور اس کی اہمیت کے بارے میں مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔

سائنسی نظریہ:

تطوری فائدہ: سائنسدانوں کا خیال ہے کہ شادی ایک تطوری فائدہ ہے جس نے انسانوں کو اپنی نسلوں کو آگے بڑھانے اور سماجی تعلقات کو مضبوط بنانے میں مدد کی ہے۔

صحت اور خوشحالی: تحقیقات سے پتا چلا ہے کہ شادی شدہ افراد عام طور پر غیر شادی شدہ افراد کے مقابلے میں صحت مند اور خوشحال ہوتے ہیں۔

سماجی حمایت: شادی ایک مضبوط سماجی نیٹ ورک فراہم کرتی ہے جو مشکل وقتوں میں حمایت اور سہارا کا کام کرتی ہے۔

اہل غزہ کا درد اور تاریخ کا بدلتا دھارا

تحریر: ارشاد حسین ناصر

آج امت مسلمہ میں اہل غزہ کی تباہی، بربادی، تاراجی پر شدید غم وغصہ کی کیفیت دکھائی دیتی ہے، غزہ میں جو بربادی کا ساماں اور دلدوز مناظر سامنے آرہے ہیں، وہ دل دہلا دینے والے ہیں۔ گوشت پوست سے بنے انسان میں اگر دل ہے اور ذرا سا بھی احساس رکھتا ہے تو یہ مناظر دیکھ کر اس کا چین اور آرام چھن جانا چاہیئے۔ اسرائیلی سفاکیت و درندگی کے نتیجہ میں معصوم بچوں کی لاشوں کے ٹکڑے اور بم دھماکوں میں بیسیوں فٹ اوپر اچھلتی لاشیں اس سے پہلے کسی نے نا دیکھی ہونگی۔ یہ مناظر تاریخ کے بدترین مظالم اور سفاکیت کے نامور مظاہروں کو بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ میرے ذاتی خیال میں آج کی سفاکیت و درندگی بذات خود اسرائیلی سفاکیت و درندگی کے قائم ریکارڈز کو توڑ چکی ہے۔ اتنی سفاکیت، اتنی درندگی، اتنا ظلم کہ اہل مغرب اور اسرائیل کے سرپرست و مددگار ممالک کے عوام لاکھوں کی تعداد میں باہر نکل کھڑے ہوئے ہیں اور اسرائیلی سفاکیت و درندگی کے مناظر کو اپنے مظاہروں واحتجاج میں سامنے لا رہے ہیں۔

اتنا کچھ ہو رہا ہے کہ جیسے صدیوں کا سفر دنوں میں طے ہونے جا رہا ہے، گریٹر اسرائیل منصوبہ صیہونیوں کا ایک پرانا خواب ہے، جسے وہ عملی جامہ پہنانے کیلئے وہ طویل پلاننگ اور منصوبہ بندی رکھتے ہیں۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے، اسی کی جانب بڑھتے قدم ہیں، سب سے اہم بات یہ ہے کہ کہ اٹھاون مسلم ممالک کے ہوتے ہوئے برق رفتاری سے اسرائیل اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے درندگی و سفاکیت کیساتھ مسلمان ممالک میں اپنی سفارت کاری اور اندرون خانہ روابط سے، ہر رکاوٹ کو دور کر رہا ہے۔ مزاحمت کے سب سے بڑے پشتبان جمہوری اسلامی ایران کو محدود کرنے کیلئے اس نے جو کھیل برسوں پہلے کھیلا تھا، آج وہ کامیابی سے ہمکنار ہو چکا ہے۔ جمہوری اسلامی ایران نے ملک شام کیساتھ مل کر جو مقاومتی سیٹ اپ بنایا تھا، سقوط شام کے بعد اس میں بہت زیادہ کمزوری دیکھی جاسکتی ہے۔

سقوط شام کی وجہ سے مقاومتی قوتوں کی مشکلات میں یقیناً اضافہ دیکھا جا رہا ہے، یہ ایک الگ بحث ہے کہ مقاومت کے خلاف اسرائیل، صیہونزم، استعمار امریکہ کی کمک و مدد فراہم کرنے میں جو بنیادی کردار ہیں، وہ اب کھل کر سامنے آچکے ہیں، ان کے چہروں سے نقاب الٹ چکی ہے اور ان کی خیانتیں آشکار ہیں، انہی خیانتوں کی بدولت آج اہل غزہ پر مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ ہم سوچتے تھے کہ آخر آل سعود کس طرح ایک مملکت اسلامی حجاز مقدس پر قابض ہو کر مقدسات اور امت مسلمہ کے دلوں کے مراکز، مزارات پیغمبر خاتمؐ و آل نبی کو شہید کر کے قابض ہو گئے، وہ کیسی امت تھی، جو اتنے بڑے سانحہ پر خاموش رہی اور چپکے سے سب کچھ ان کے دسترس میں جانے دیا۔ یہ زیادہ پرانی بات تو نہیں، بس ایک سو سال ہی ہوا ہے ابھی، اس دوران دنیا مین بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں۔

کئی انقلابات نے جنم لیا ہے، جن میں ٹیکنالوجی کا انقلاب بھی ہے، ایجادات کا انقلاب بھی ہے، دنیا ان سو برسوں میں اس قدر تیز اور پیشرفت کر چکی ہے کہ اگر سو سال پرانا بندہ اس دنیا میں آجائے تو یقینی طور پر سب کچھ دیکھ کر حیرت سے ہی مر جائے، سو سال پہلے جب آل سعود حرمین شریفین اور حجاز مقدس پر قابض ہو کر اپنے نظریات کو نافذ کر رہے تھے تو انفارمیشن اور خبروں کا باہر نکلنا اور دنیا تک پہنچنا خاصا دشوار اور وقت طلب تھا، جبکہ آج دنیا کے کسی بھی ملک، جنگل، سمندر، زیر زمین، خلا، فضا میں ہونے والی حرکت کو لوگ مستقیم دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ آج جو شام میں ہوا ہے، اسے سب نے دیکھا ہے، شام جو ایک پشتبان تھا اہل غزہ، اہل فلسطین کا، جس نے امریکہ، اسرائیل کے ساتھ دیگر عرب خائینین کی خیانتوں سے ہٹ کر ٹکر لی ہوئی تھی اور بہت عرصہ تک مقاومت و مزاحمت کیساتھ کھڑا رہا، جبکہ اس کے ساتھ کے سب ہی عرب امریکی و اسرائیلی در پر جھک گئے تھے۔

شام عرب بادشاہوں اور ان کے آقاوں کی آنکھ کا کانٹا تھا، جس سے انہیں مسلسل تین چار دہائیاں چبھن رہی۔ بالآخر اس کانٹے کو نکال دیا گیا اور آج کا شام اسرائیل و امریکہ کی دسترس میں ہے، وہ جسے چاہے وہاں جو کردار ادا کرنے دے، چاہے تو قطریوں کو کچھ حصہ دے، چاہے تو ترکیہ کو اس کی خدمات کا صلہ دے اور چاہے تو سعودیوں کو اپنا کھیل کھیلنے دے اور چاہے تو دنیا کے موسٹ وانٹڈ اپنے مجرم کو کرسی اقتدار پر بٹھا دے اور امداد کے نام پر گرانٹیں جاری کر کے اپنا کھیل کھیلتا رہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سارے عمل میں امت مسلمہ بغلیں بجا کر شادیانے بجاتے ہوئے فتح کا نشان لہراتے جشن برپا کر رہی ہو۔ امریکہ کو نجات دہندہ سمجھ کر اس کا شکریہ ادا کرے کہ اس نے ایک عرب ملک سے ایک عجم ملک)فارس (کا اثر رسوخ ختم کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے، اسے تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔

سقوط شام کے منظر میں ہی دراصل غزہ کی آج کی تصویریں دیکھی جا رہی تھیں، سقوط شام کے کربناک منظر میں ہی شام کی اہمیت، قدر، قیمت، کردار اور مقاومت کیساتھ ہم آہنگی کا طویل سلسلہ و خدمات خاک میں ملتی دیکھی جا سکتی تھیں، جس کا سب سے برا اثر اہل فلسطین، اہل غزہ پر ہی پڑنا تھا کہ اسرائیل کو مکمل فرصت مل چکی تھی، اس نے بڑھ بڑھ کر لبنان اور شام پر حملے کیے۔ شام کا بنیادی دفاعی ڈھانچہ تباہ کر دیا، لبنان پر یلغار جاری رکھی، مزاحمت اسلامی کی قیادت کو چن چن کر نشانہ بنایا اور غزہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس نے سفاکیت، درندگی کی انتہا کر دی۔ طوفان الاقصی میں اس نے جو خفت اٹھائی تھی، اسے مٹانے کیلئے دنیا کے کسی ضابطے، قانون، اخلاق، ڈر، خوف بارود کی بارش جاری رکھی، ٹنوں کے حساب سے بم گرا کر بستیوں کو تاراج کر دیا۔ اسپتال چھوڑے نا اسکولز، بازار و مارکیٹس اور مالز کو چھوڑا، نا رہائیشی عمارات کو، جانور چھوڑے نا کھیت کھلیان، کم سن بچوں کو بخشا نا خواتین کو معافی دی۔

مساجد کو تباہ کیا تو گرجا گھروں کو بھی ویران کیا، ہلال احمر اور ریڈ کراس کے اسپتالوں اور اسکولز کو بمبارمنٹ سے زمین بوس کیا، ایمبولینسز اور صحافیوں کو باقاعدہ ٹارگٹ کر کے نشانہ بنایا۔ اب وہ کھل کر اپنے ہدف گریٹر اسرائیل کی بات کر رہا ہے۔ نقشے پیش کیے جا رہے ہیں، اتنی سفاکیت، درندگی اور تجاوز، کسی عرب و مسلم حکمران کو غیرت دلانے کیلئے ناکافی رہے ہیں۔ مصر ساتھ ہے، مگر اہل غزہ کی مدد تو درکنار، اپنے ملک سے واحد راستہ رفاہ بارڈر کے ذریعے دنیا کی امداد بھی نہیں لے جانے دیتا، اردن امریکی ٹٹو بنا ہوا ہے، شام میں نام نہاد جہادی القاعدہ، تحریر الشام جنہیں اسرائیل جانے کیلئے راستہ نہیں ملتا تھا، اسرائیلی حملوں کے جواب میں ایک گولی چلانے کا روادار نہیں، بلکہ جس علاقے کو اسرائیلی چاہتے ہیں، انہیں کسی بھی طرح کی مزاحمت یا رکاوٹ نہیں ہوتی، اسرائیلی شام میں ایسے گھوم رہے ہیں، جیسے تل ابیب میں ہوں۔

جانے کب ہونگے کم۔۔

تحریر: ارشاد حسین ناصر

یوں تو اہل غزہ کا درد اس قدر زیادہ ہے کہ اس وقت ہر درد اور غم سے ماسوا ہے، اسی درد میں ہی ہم سید مقاومت، ان کے قریبی ترین ساتھیوں کے غم کو بھی دیکھتے ہیں، مگر اپنے ہی ملک میں، اپنے ہی لوگوں کی مشکلات، درد، مسائل، پریشانیوں اور تسلسل سے مایوس کن رویئے اہل غزہ کے درد و الم سے کم نہیں دکھتے۔ نا ہی یہ اس قدر کم اہم ہے کہ انہیں اہمیت نا دی جائے اور یکسر فراموش کر دیا جائے۔ یہ الگ بات کہ یہ درد و الم کی داستان، یہ غم و اندوہ کی کہانی، یہ مشکلات و پریشانیوں کا قصہ ہماری ترجیحات، ہمارے میڈیا ذرائع اور اخبارات کی فرنٹ لائن خبروں میں کہیں بھی دکھائی نہ دے، وگرنہ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اہل کرم پاراچنار کے محصورین کسی غزہ سے کم ظلم و زیادتی اور مشکلات کا شکار نہیں ہیں، چھ ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، ایک بہت بڑی پاکستان کے وفاق کی حامی آبادی کو نہ جانے کیوں اعلی حکام، مقتدر حلقے اور پاکستان کے استحکام کا ایجنڈا چلانے والے ادارے اپنے رویوں سے مایوس کر رہے ہیں۔

نا صرف مایوس کر رہے ہیں بلکہ اس میں سے سازش کی بو ہر سو پھیلی دیکھی جا رہی ہے۔ ایسی سازش جسے ملک دشمنی کہا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ ایک اور بلوچستان تیار کرنا ہے، بلوچستان کے موجودہ حالات جس نہج پر ہیں، وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ ہر ایک فرد، روز سنتا اور دیکھتا ہے کہ کیسے پاکستان کا رقبے میں سب سے بڑا صوبہ نا امنی، انتشار اور دہشت گردی کا شکار ہے۔ ایسی دہشت گردی جسے بغاوت کا نام دیا جاتا ہے، جو ملک کے ٹکڑے کرنے کا باعث بن سکتی ہے، جس میں اب عالمی قوتیں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں اور ملکی سکیورٹی ادارے بے بسی کی کیفیت کا شکار ہیں یا پھر عام و خاص میں سے کوئی بھی ان پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں۔ کسی بھی ملک کی سکیورٹی فورسز سے عوام کا اعتماد اٹھ جانا کسی المیہ سے کم نہیں ہوتا۔ سکیورٹی فورسز جتنا بھی جدید اسلحہ سے لیس ہوں، ان کی تربیت ہو، جب تک کسی آپریشن والے علاقے کے عوام انہیں تحفظ نا دیں اور اعتماد نا کریں، کامیابی ممکن نہیں۔ ویسے تو ایک عرصہ ہوا کرم ڈسٹرکٹ، پاراچنار کے عوام سکیورٹی فورسز کے رویوں سے نالاں اور شاکی رہے ہیں، مگر حالیہ چھ مہینوں میں جب سے پاراچنار کو محصور کیا گیا ہے، سکیورٹی فورسز کا کردار مقامی قبائل کی نظر میں انتہائی بھونڈا اور نا قابل بیان حد تک مجرمانہ رہا ہے۔ چھ ماہ سے مسلسل پانچ لاکھ سے زیادہ نفوس جس کرب کا شکار ہیں، اس کا ذمہ دار کوئی اور ہونا ہو، سکیورٹی فورسز بدرجہ اتم ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس میں صوبائی حکومت، انتظامیہ اور دیگر عوامل کا کردار نہیں، ہر ایک کا اپنا کردار واثر ہے۔ سب سے زیادہ جو ذمہ دار ہے، وہ فورسز ہی ہیں۔ اس لیے کہ اس بند روڈ پر چھ مہینوں سے اہل پاراچنار کیلئے تو کھانے پینے کی اشیا، دوائیں، پٹرول، گیس، آمد و رفت پر پابندی ہے۔ پاراچنار سے کسی مریض کو ایمبولینس پر پشاور شفٹ کرنا ہو تو خطرہ ہے کہ راستے میں مریض اور ایمبولینس دہشت گردی کا شکار ہو جائیں گے۔

پاراچنار والے کروڑوں روپے کا سامان اپنے خرچ پر، انتہائی مہنگے داموں خرید کر، اضافی کرایہ دے کر ٹرکوں میں لاد کر لے جانا چاہیں گے۔ حکومت، فورسز کی یقین دہانی پر کانوائے میں شامل ہوں گے، تو ان کے مال کو لٹوا دیا جائے گا، ایک بار نہیں کئی بار ان چھ مہینوں میں ایسا ہو چکا ہے۔ آخر وہ کون سے دہشت گرد ہیں، جن سے وزیرستان، مہمند، ڈیرہ اسماعیل خان، بلوچستان جیسے علاقوں میں تو آپ کھلے عام موومنٹ نہیں کرتے، فورسز کے لوگ شام سے پہلے باہر نہیں نکلتے ، مبادا حملہ کر دیں، کوئی نقصان ہو جائے، مگر کرم ڈسٹرکٹ میں یہی دہشت گرد فورسز کے کانوائیوں، سامان، راشن، فورسز کی موومنٹس کھلے عام بلا خطر جاری ہے، ان پر کوئی ایک پتھر بھی نہیں پھینکتا۔ دوسری طرف یہی دہشت گرد کھلے عام سڑکوں پر کھڑے ہو کر، ویڈیوز بنا کر سوشل میڈیا پر اپلوڈ کرتے ہیں، دھمکاتے ہیں، ڈراتے ہیں، دہشت گردی کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔ اسلام آباد بھی آتے جاتے اپنی تصاویر لگاتے ہیں، مگر انہیں کوئی کچھ نہیں کہتا۔

گویا خطرہ ہے تو فقط ایک ایمبولینس کو جو پاراچنار سے انتہائی ایمرجنسی میں پشاور مریض لے کر جانا چاہتی ہے۔ خطرہ ہے تو قطر، دبئ، سعودیہ وغیرہ سے برسوں بعد اپنے گھر لوٹنے والے اس کرمیوال کو ہے، جو پشاور سے پاراچنار بائی روڈ جانا چاہتا ہے، خطرہ ہے تو سوشل میڈیا ورکرز اور نیٹ ورکس کے اس سامان کو جو مستحقین کی مدد کیلئے پشاور سے بھاری کرائے پر ٹرکوں میں لاد کر ٹل میں روک دیا گیا ہے۔ تنگ آمد بہ جنگ آمد کا مقولہ کی نوبت پر لانے میں ہمارے ذمہ دار حلقوں اور اداروں نے کہیں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ حالیہ دنوں میں جب کئی کئی مہینوں سے دکانداروں کا سامان پشاور سے نکل کر ٹل پر بند کر دیا گیا ہے اور حکومتی فورسز کی ملی بھگت سے دکانداروں کو لاکھوں روپے ٹرکون کا کرایہ اضافی طور پر پڑ رہا ہے، جبکہ کسی کو اس کے باوجود یقین دہانی نہیں کہ وہ پھر بھی اپنے سامان کو حاصل کر سکیں گے یا نہیں اور جب ملے گا تو ان کی قیمتیں کہاں پہنچ چکی ہونگی۔

پاراچنار کے تاجروں نے اس عرصے میں حکومتی فورسز کی جانبداری، تعصب اور ظلم کے خلاف ہڑتال شروع کر دی ہے۔ اطلاعات کے مطابق مقامی تاجر باقاعدہ احتجاج میں شامل ہو چکے ہیں، جبکہ اہل کرم پہلے ہی پریس کلب پر دھرنا دیئے بیٹھے ہیں۔ اس وقت پاراچنار کے تاجر شٹر ڈاون کا آغاز کر چکے ہیں۔ بی بی سی اردو نے بھی ایک رپورٹ میں اس بابت ایک رپورٹ میں لکھا ہے؛ تاجروں کا کہنا ہے کہ وہ اس اقدام پر اس لیے مجبور ہوئے ہیں، کیونکہ امن معاہدوں کے اعلانات کے باوجود پاڑہ چنار کے راستے گذشتہ کئی مہینوں سے بند ہیں اور اشیائے تجارت شہر تک نہیں پہنچ پا رہی ہیں، جس کے باعث حالات کافی مخدوش ہیں۔ یاد رہے کہ لگ بھگ چھ ماہ قبل قبائل کے درمیان فرقہ وارانہ کارروائیوں میں شہریوں کی ہلاکتوں کے بعد سے پاڑہ چنار جانے والے تمام راستے بند ہیں۔ ماضی میں صوبائی حکومت کی جانب اِن راستوں کو کھولنے کے لیے کافی کوششیں کی گئیں اور قبائل کے درمیان امن معاہدوں کے اعلانات کیے گئے، تاہم مقامی شہریوں کے مطابق صورتحال نارمل نہیں ہو پائی ہے۔

امن معاہدوں اور دہشت گرد علاقوں بگن، اوچت، چاردیوار وغیرہ میں غیر مقامی دہشت گردوں نے مقامی سہولت کاروں کیساتھ مل کر اودھم مچا رکھا تھا، اربوں روپوں کے سامان لوٹے گئے، بے گناہ مسافروں کو گولیوں سے بھونا گیا، نہتے مسافروں کے گلے کاٹے گئے، جلاؤ گھیراؤ ہوا، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ بہادری وشجاعت کے یہ دعویدار کاغذی شیر ہیں، طاقتور حلقوں سے مل کر، سہولت کاری کیساتھ نہتے لوگوں سے مال و اسباب چھیننا اور جلانا، بہادری نہیں بلکہ بزدلی کی علامت ہے۔ بہادری تب ہوتی کہ بیسیوں کلومیٹر دور سے آتے دشمن کے مقابلے کیلئے سامنے آتے اور لڑتے ہوئے مارے جاتے، اپنے مال، اسباب، بازار دکانوں کی حفاظت کرتے، اپنی زمین اور جگہ نہیں چھوڑتے، اہل بگن کی یہ بزدلی تاریخ کا حصہ بن چکی ہے، جو ان کے ماتھے پہ کلنک کا ٹیکہ بنی رہے گی۔

اس وقت روڈ کی بندش سے بہت سے طبقات بشمول تمام فورسز، پولیس اور دیگر ادارے کمائی کا ایک ذریعہ بنا چکے ہیں، مجبور و محکوم قوم کی قیادتیں اگر وقت نکالیں اور پاراچنار ان کی پہلی ترجیح ہو تو شاید مسئلہ اتنا گھمبیر نہیں ہوتا، نا ہی کسی کو اتنی خیانت کرنے کا موقع دینا چاہیئے۔

مسلمانوں کو بلاتفریق جنت البقیع کی تعمیرنو کا مطالبہ کرنا چاہیے: مولانا کلب جواد نقوی

لکھنو۔انہدام جنت البقیع کے سو سال مکمل ہونے پر مجلسِ علمائے ہند کی جانب سے نمازِ جمعہ کے بعد آصفی مسجد میں احتجاجی مظاہرہ کیا گیا، احتجاج میں مظاہرین نے آل سعود کے ظلم کے خلاف نعرے لگائے اور جنت البقیع میں موجود مقدس مزارات کی تعمیرنو کا مطالبہ کیا۔ اس موقع پر مظاہرین نے ایسے بینر اور پوسٹر ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے تھے جس میں سعودی سرکار اور آل سعود کے حکمرانوں کے خلاف مردہ باد کے نعرے لکھے ہوئے تھے، ساتھ ہی جنت البقیع تعمیر کرو کے مطالباتی بینر بھی مظاہرین کے ہاتھوں میں بلند تھے۔اس موقع پر وقف قانون کے خلاف بھی مظاہرین نے احتجاج کیا اور سرکار سے وقف ترمیمی قانون کو واپس لینے کا مطالبہ کیا۔مجلس علمائے ہند کے جنرل سکریٹری مولانا سید کلب جواد نقوی نے مظاہرین کو خطاب کرتے ہوئے سعودی حکومت کو صہیونی حکومت سے تعبیر کیا۔ انہوں نے کہا کہ جو لوگ ازواج مطہرات اور اصحاب کرام کی توہین کا جھوٹا الزام شیعوں پر عائد کر کے انہیں کافر کہتے ہیں، وہ جنت البقیع میں موجود ازواج مطہرات اور اصحاب کرام کی قبروں کے انہدام پر خاموش کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سعودی حکومت رسول اسلامؐ کی مجرم ہے، کیونکہ انہوں نے رسولؐ کی بیٹی، ان کی آل و اولاد ، ازواج مطہرات اور اصحاب کی قبروں کو مسمار کیا ہے۔مولانا نے مزید کہا کہ سعودی سرکار برطانیہ اور استعماری طاقتوں کی غلام ہے۔ انہوں نے کہا کہ سعودی مفتیوں نے آج تک ان لوگوں کے خلاف کوئی فتویٰ نہیں دیا جو اسلام اور قرآن کی توہین کرتے ہیں، لیکن اسلامی فرقوں کی تکفیر کے فتوے دیتے رہتے ہیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تمام مفتی استعمار کے زرخرید ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سعودی عرب میں شراب خانے ، کلب ، اور جوا خانے کھل رہے ہیں۔ ریاض شراب و شباب کا مرکز بن چکا ہے۔مشہور رقصاؤں کو رقص کے لئے مدعو کیا جاتا ہے مگر اس کے خلاف کسی مولوی کا مذمتی بیان تک نہیں آتا۔مولانا نے کہا کہ غزہ جنگ نے آل سعود کے چہرے پر پڑا ہوا دہرا نقاب اتار دیا ہے اور اب مسلمان ان کی حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں ۔انہوں نے کہا کہ تمام مسلمانوں کو بلاتفریق جنت البقیع کی تعمیرنو کا مطالبہ کرنا چاہیے، یہ ہمارا انسانی اور اسلامی فریضہ ہے۔مولانا نے کہا کہ جنت البقیع کے انہدام کو سال مکمل ہو چکے ہیں، کیا اب بھی مسلمانوں کی غیرت بیدار نہیں ہوئی کہ وہ اپنے رسول کی بیٹی، ان کی آل و اولاد اور ازواج واصحاب کی قبروں پر ہوئے ظلم کے خلاف احتجاج کر سکیں۔

مولانا فیض عباس مشہدی نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہم چودہ سو سال سے ریاستی دہشت گردی کا سامنا کر رہے ہیں مگر آج تک ہم نے سر نہیں جھکایا، اسی ریاستی دہشت گردی کے زیر اثر جنت البقیع میں موجود رسول اسلامؐ کی بیٹی، ان کی اولاد پاک، ازواج مطہرات اور اصحاب کرام کے روضوں کو آج سے سو سال پہلے منہدم کر دیا گیا تھا۔ہم گزشتہ سو سال سے اس ظلم کے خلاف سراپا احتجاج ہیں، مگر آج تک سعودی سرکار نے مزارات کی تعمیرنو کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا، جس کی ہم بھرپور مذمت کرتے ہیں ۔ شیعہ وقف بورڈ کے رکن مولانا رضا حسین رضوی نے اپنی تقریر میں کہا کہ یہ کیسی مسلمان حکومت ہے جو اپنے ہی رسولؐ کی بیٹی ،ان کی اولاد پاک، ازواج مطہرات اور اصحاب کرام کی قبروں کو مسمار کر کے فخر کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اقوام متحدہ اور اپنی سرکار سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ سعودی سرکار پر جنت البقیع کی تعمیر نو کے لئے دباؤ بنائے اور ہمیں مقدس مزارات کی تعمیر کی اجازت دی جائے۔مولانا شباہت حسین نے بھی سعودی سرکار کی اسلام مخالف پالیسیوں کی مذمت کرتے ہوئے جنت البقیع کی تعمیرنو کا مطالبہ کیا۔ اس موقع پر خانقاہ صلاح الدین سے تشریف لائے جناب بابر صفوی نے بھی سعودی سرکار کے جرائم پر تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں سے جنت البقیع کی تعمیرنو کے مطالبے کے لئے احتجاج کی اپیل کی۔ احتجاج میں مولانا سرتاج حیدر زیدی ،مولانا فیروز حسین زیدی، مولانا رضا حسین رضوی، مولانا فیض عباس مشہدی، مولانا شباہت حسین، مولانا نظر عباس زیدی اور بڑی تعداد میں ممنین نے شرکت کی۔ اس موقع پر مجلس علمائے ہند کی طرف سے اقوام متحدہ، دہلی میں موجود سعودی عرب کے سفارت خانے اور ہندوستانی سرکار کو بذریعہ ایمیل جنت البقیع کی تعمیرنو کے لئے قرارداد بھی بھیجی گئی۔

قبور جنت البقیع شعائر اللہ میں شامل

قم۔انہدام جنت البقیع کے عنوان سے ایک عظیم الشان انٹرنیشنل کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں طلاب اور علما کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ جنت البقیع انٹرنیشنل کانفرنس، تحریر پوسٹ، انجمن آل یاسین، مرکز افکارِ اسلامی کے اشتراک اور جامعہ المصطفیٰ کے ڈیپارٹمنٹ آف ہسٹری کے شعب ثقافت اور تربیت کی معاونت سے منعقد ہوئی۔واضح رہے جنت البقیع کے انہدام پر خاموشی کے خلاف یہ کانفرنس ایک پکار تھی، ایک احتجاج تھی اور قبورِ اہلِ بیت کی حرمت کے احیا کی کوشش تھی۔جنت البقیع انٹرنیشنل کانفرنس سے مایہ ناز علمائے کرام نے خطاب کیا، جن میں حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر حسین عبدالمحمدی (ایران)، حجۃ الاسلام والمسلمین محسن دادسرشت تہرانی (ایران)، حجۃ الاسلام والمسلمین سید حنان رضوی (ہندوستان) اور حجۃ الاسلام و المسلمین محمد تقی مہدوی (پاکستان) شامل تھے۔پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ قرآنِ مجید سے ہوا، جس کی سعادت قاری نصرت نے حاصل کی۔جنت البقیع انٹرنیشنل کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے حجۃ الاسلام والمسلمین حسین عبدالمحمدی نے کہا کہ جنت البقیع کے انہدام کے حوالے سے دشمنوں کی یہ کوشش رہی ہے اور ہے کہ یہ واقعہ بھلایا جائے، تاکہ حقائق سے کوئی آگاہ نہ ہو سکے؛ ایسے میں جنت البقیع کے انہدام کی مناسبت سے پروگرام کا انعقاد قابلِ صد تحسین ہے۔

ایران اسلامی مزاحمت اور امریکہ سے مذاکرات

تحریر: ہادی محمدی

عمان کے دارالحکومت مسقط میں ایران اور امریکہ کے درمیان بالواسطہ جوہری مذاکرات کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں ہفتہ 12 اپریل کو پہلی نشست منعقد ہوئی جس میں ایران کی مذاکراتی وفد کی سربراہی وزیرخارجہ عباس عراقچی جبکہ امریکی وفد کی سربراہی مشرق وسطی کے لیے امریکی صدر کے خصوصی ایلچی اسٹیو وٹکوف کر رہے تھے۔ ان مذاکرات میں عمان کے وزیرخارجہ ثالثی کا کردار ادا کر رہے ہیں اور دونوں وفود میں پیغام بھی ردوبدل کرتے ہیں۔ پہلی نشست کے اختتام کے بعد اسٹیو وٹکوف، ڈونلڈ ٹرمپ اور وائٹ ہاوس نے اپنے الگ الگ بیانات میں مذاکرات کو بہت خوش آیند اور مثبت قرار دیا۔ ان بیانات کی وجہ سے بہت سے امور سے عالمی توجہ ہٹ گئی جیسے یہ کہ مذاکرات میں کیا اہم نکات زیر بحث لائے گئے یا کس فریق کو کس فریق پر غلبہ حاصل رہا وغیرہ۔

غاصب صیہونی رژیم اور اس کے اتحادی ممالک جیسے امریکہ اور برطانیہ کے ذرائع ابلاغ گذشتہ کئی ماہ سے شدت سے یہ پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف تھے کہ اسرائیل کے شدید حملوں کے باعث ایران اور اسلامی مزاحمتی بلاک بہت زیادہ کمزور ہو گئے ہیں اور وہ فعال کردار ادا نہیں کر پا رہے۔ لیکن حالیہ بالواسطہ جوہری مذاکرات نے نہ صرف اس پروپیگنڈے کا جھوٹا ہونا واضح کر دیا ہے بلکہ صیہونی رژیم اور اس کے حامیوں کو ایک انتہائی تلخ حقیقت سے بھی روبرو کر دیا ہے۔ وہ آخرکار ایران کی غالب پوزیشن قبول کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اگرچہ ڈونلڈ ٹرمپ ذاتی طور پر میڈیا پر شور شرابہ مچانے اور دوسروں پر دھونس جمانے کا رجحان رکھتا ہے اور اس نے ایران پر مذاکرات کے بارے میں اپنی مرضی ٹھونسنے کی کوشش بھی کی لیکن بری طرح ناکام ہوا۔

ٹرمپ نے شروع میں ایران کو خط لکھا اور اس میں مذاکرات کے آغاز کے لیے شرائط کی لمبی چوڑی فہرست بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان مطالبات کو پورا نہ کرنے کی صورت میں فوجی حملے اور وحشت ناک نتائج کی دھمکی بھی دی۔ لیکن آخر میں جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ ایران نے نہ صرف ٹرمپ کے مطالبات پورے نہیں کیے بلکہ اس سے براہ راست مذاکرات کو بھی ٹھکرا دیا اور امریکہ کی خواہش کے برعکس متحدہ عرب امارات کی بجائے عمان کو بالواسطہ مذاکرات میں ثالثی کا کردار سونپا اور عمان کو بالواسطہ مذاکرات کا مقام مقرر کیا۔ یہ تمام امور ایران کی مرضی کے مطابق طے پائے اور ڈونلڈ ٹرمپ نے واضح پسپائی اختیار کرتے ہوئے ایران کی مطلوبہ شرائط کے تحت بالواسطہ مذاکرات انجام دینے میں ہی عافیت جانی۔ یوں ٹرمپ نے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ امریکہ کمزور پوزیشن میں ہے اور اسے ایران سے مذاکرات کی ضرورت ہے۔

ڈونلڈ ٹرمپ کا یہ احساس صرف ایران سے متعلق پالیسی سازی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ٹرمپ نے صیہونی وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو سے ملاقات کے دوران اسے ٹھیک ٹھاک کھینچا تاکہ وہ اشتعال انگیز بیانات اور اقدامات ترک کر دے اور ایران سے جنگ کی بجائے مذاکرات کے ذریعے ممکنہ معاہدے کے بارے میں سوچے کیونکہ اس طرح کا معاہدہ صیہونی رژیم کے اندرونی حالات کے تناظر میں بھی بہت مناسب دکھائی دیتا ہے۔ ٹرمپ اور وٹکوف کی سربراہی میں اس کی مذاکراتی ٹیم نے ایران کی مذاکراتی ٹیم کی جانب سے پیش کردہ سفارشات قبول کر کے نہ صرف نیتن یاہو بلکہ یورپی اتحادیوں کو بھی نظرانداز کر دیا اور انہیں کوئی اہمیت نہیں دی۔ البتہ اسرائیل کا ساتھ دینے والے کچھ مغربی سربراہان اور علاقائی کٹھ پتلیوں نے غلط انداز میں خبریں پھیلانے کی کوشش بھی کی جسے دنیا میں کسی نے کوئی اہمیت نہیں دی۔

رہبر معظم انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے گذشتہ اپنے بیانات میں اس بات پر زور دیا ہے کہ نہ تو خطے میں اسلامی مزاحمت کمزور ہوئی ہے اور نہ ہی ایران کمزور ہوا ہے بلکہ پہلے سے زیادہ طاقتور ہو چکا ہے۔ رہبر معظم انقلاب نے بارہا امریکہ اور اسرائیل کو خبردار کیا کہ کسی بھی فوجی مہم جوئی اور حماقت کی صورت میں فوری طور پر منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔ لہذا ایران سفارتی میدان میں بھی اور دیگر میدانوں میں بھی انتہائی طاقتور چہرے کے ساتھ ظاہر ہوا ہے جس کے نتائج نہ صرف مسقط بلکہ غزہ میں جنگ بندی کے لیے قاہرہ میں جاری مذاکرات میں بھی نیز لبنان میں اسٹیو وٹکوف کی اسسٹنٹ اورٹیگاس کے دورے میں بھی ظاہر ہوئے ہیں۔ اسی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اورٹیگاس حزب اللہ لبنان کو غیر مسلح کرنے کی اپنی خواہش کا اظہار سوائے سمیر جعجع کے کسی سے نہ کر پائی۔

طاقت کے اسی اظہار نے شام میں ابومحمد الجولانی کو اہل تشیع کے ایک وفد سے ملاقات کے دوران لکنت کا شکار کر دیا اور وہ ایران کا اقتدار ماننے پر مجبور ہو گیا۔ دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ جب سوڈان میں آرمی کے مقابلے میں ریپڈ ری ایکشن فورس نے پسپائی اختیار کی تو نیتن یاہو نے اعلان کیا کہ ایران نے شام کا بدلہ سوڈان میں لے لیا ہے۔ البتہ اسرائیل کے علاوہ متحدہ عرب امارات اور کچھ دیگر ایسے عرب ممالک نے بھی سوگ منایا جنہوں نے سوڈان میں امریکی اسرائیلی فتنے کی مالی امداد کر رکھی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام تر پروپیگنڈے کے برعکس ایران اور امریکہ میں بالواسطہ جوہری مذاکرات آگے بڑھنے کی صورت میں ایران اور اسلامی مزاحمتی بلاک کی پوزیشن زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔ اسی حقیقت کے باعث بہت سی طاقتیں ابھی سے شدید تشویش کا شکار ہو چکی ہیں۔

پوپ فرانسس کی وفات، فلسطین کا دوست چلا گیا

تحریر: ڈاکٹر ندیم عباس

پوپ فرانسس دنیا سے چلے گئے، وہ دنیا میں کیتھولک مسیحیوں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما تھے۔ جب سے پوپ بنے، تب سے اہل فلسطین کے حمایتی تھے۔ ان پر بہت دباؤ ڈالا گیا، مگر وہ ہمیشہ فلسطین کی حمایت میں کھڑے رہے۔ پوپ فرانسس نے غزہ کی جنگ کے دوران وہاں کی مسیحی برادری سے مسلسل رابطہ رکھا۔ کہا جا رہا ہے کہ ہر رات کو فون کرتے تھے۔ 2024 کے آخر میں شائع ہونے والی اپنی کتاب ہوپ نیور ڈس اپوائنٹس میں انہوں نے اشارہ کیا ہے کہ اسرائیل کا غزہ پر حملہ نسل کشی کے زمرے میں آ سکتا ہے اور ماہرین کی ان آرا کی بین الاقوامی سطح پر تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ دسمبر میں پوپ فرانسس نے غزہ میں اسرائیلی اقدامات کو سفاکیت قرار دیا تو اسرائیل کی وزارتِ خارجہ نے ویٹی کن کے اعلی سفارتکار کو طلب کر کے احتجاج کیا۔ ان کے انہیں اقدامات کی وجہ سے مسلمان اور اہل فلسطین ان سے محبت کرتے تھے۔

پاپائے روم کا ایسٹر کا پیغام ان کے ایک معاون نے پڑھ کر سنایا، جس میں پوپ نے کہا تھا کہ غزہ کی صورت حال افسوسناک ہے۔ پوپ نے دنیا میں بڑھتے اسلامیت دشمنی کے رجحان کو تشویشناک قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی۔ اپنے پیغام میں انہوں نے تمام فلسطینی عوام کے مصائب دلی رنج کا اظہار کیا۔ پوپ فرانسس نے غزہ میں جنگ بندی کا مطالبہ کریں اور بھوک سے مرنے والے لوگوں کی مدد کی اپیل کی، جو امن کے مستقبل کے خواہشمند ہیں۔ فلسطین کی حمایت میں وہ جتنا کر سکتے تھے، اتنا کر رہے تھے۔ 2014 میں جب مقبوضہ فلسطین کے دورہ پر تھے تو پوپ فرانسس نے اپنی گاڑی رکوائی، باہر نکلے بیت لحم اور یروشلم کے درمیان علیحدگی کی دیوار کے سامنے جھک کر دعا کی۔ یہ ایک ایسا لمحہ تھا، جو سب کے دلوں کو چھو گیا۔

بہت سے لوگوں نے ان سے کہا کہ مسلم دہشتگردی کی مذمت کریں، اس پر وہ کہا کرتے تھے، اگر میں اسلامی شدت پسندی کی بات کروں گا تو مجھے کیتھولک شدت پسندی کی بھی بات کرنی پڑے گی۔ کتنی صاف بات ہے۔؟ اگر میں دوسرے مذہب کی برائی بیان کر رہا ہوں تو وہی برائی میرے اپنے مذہب میں موجود ہے، اس لیے یا تو ہر دو کی بات کی جائے یا کسی کی بات نہ کی جائے۔ دنیا کے ایک بڑے مذہبی پیشوا کی یہ بات سبق آموز ہے۔ ایسے وقت میں جب اسلام دشمن قوتیں دہشتگردی کو اسلام سے جوڑ رہیں، ایسے میں یہ ایک بڑا اقدام ہے۔ مغربی معاشروں میں اسلامک فوبیا کو روکنے کے لیے ایسے رہنماؤں کے ان بیانات کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ ان کی وفات پر اہل فلسطین غم منا رہے ہیں اور انہیں خراج تحسین پیش کر رہے ہیں۔ ایک فلسطینی خاتون درست کہہ رہی تھی کہ بابا ہمیشہ فلسطینیوں کی حمایت میں کھڑے رہے اور ہم یہ امید کرتے ہیں کہ ان کے جانشین بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہمیشہ فلسطینیوں کو سپورٹ کریں گے۔ اس کے مقابل انتہا پسند اسرائیلی مرنے کے بعد بھی انہیں نشانہ بنا رہے ہیں۔ سوشل میڈیا اسرائیلی انتہا پسندوں نے پوپ فرانسس کو یہودیت سے نفرت کرنے والا قرار دیا۔ اسرائیلی چینل Kan 11 کی جانب سے پوپ کی وفات سے متعلق ایک پوسٹ پر ایک صارف نے لکھا: مجھے اس نفسیاتی بوڑھے شخص کی کوئی پرواہ نہیں، جو اسرائیل سے نفرت کرتا تھا۔ Ynet کی ایک رپورٹ کے نیچے ایک اور صارف نے لکھا: دنیا اس کے بغیر بہتر ہے۔ یروشلم پوسٹ کے ایڈیٹر ان چیف زیویکا کلین نے پوپ فرانسس کی اسرائیل پر تنقید اور حملے کے دوران فلسطینیوں کی حمایت کو حماس کی غیر مشروط حمایت قرار دیا اور کہا جب انہیں (پوپ فرانسس کو) مقرر کیا گیا تو یہودی دنیا میں ایک خاص قسم کی امید تھی، لیکن یہاں اسرائیلی اور یہودی حلقوں میں ان کے سخت بیانات کی وجہ سے بہت مایوسی ہوئی۔ پوپ فرانسس فلسطینیوں کی نسل کشی پر مسلسل بول رہے تھے، بار بار جنگ بندی کی اپیلیں کر رہے تھے۔ پوپ فرانسس کی وفات سے کچھ گھنٹے قبل، اپنے آخری عوامی خطاب میں انہوں نے ایسٹر سنڈے کی عبادت کے دوران غزہ میں جنگ بندی کی اپیل کی تھی۔ فلسطینی مسیحی عالم دین اور بیت لحم کی ایونجیلیکل لوتھرن کرسمس چرچ کے پادری ریورنڈ منتھر اسحاق کا کہنا ہے کہ پوپ فرانسس کا فلسطین کے حوالے سے مقف دراصل ان کے الہیاتی اور کلیسائی خدمت کا تسلسل ہے، جو ہمیشہ مظلوموں، پسماندہ افراد اور ناانصافی کے شکار لوگوں کی حمایت پر مبنی رہا ہے۔ ان کے پاس فوجی طاقت نہ تھی، وہ صرف مذہبی رہنما تھے، اس لیے بطور مذہبی رہنما جو کچھ وہ کر سکتے تھے، وہ یہی تھا کہ مذہب کا درست اور پرامن تعلیمات کا پیغام سامنے لائیں اور مظلوموں کے لیے آواز بلند کریں۔

پوپ یہ کام مسلسل کرتے رہے اور اس معاملے میں انہوں نے کسی پروپیگنڈے کی پرواہ نہیں کی۔ ایسٹر کی دعا میں اہل فلسطین کی حمایت پر اسرائیلی قیادت ان کے بہت خلاف ہوگئی تھی۔ اسی لیے بیت المقدس کے تاریخی چرچ، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہیں حضرت مسیح کو صلیب چڑھایا گیا تھا، اس میں ویٹی کن کے سفیر کو ایسٹر کی عبادت میں شرکت سے اسرائیلیوں نے روک دیا تھا۔ فلسطینیوں کو ہر اہم موقع پر یاد رکھنے والا یہ مسیحی رہنما مدت تک یاد رہے گا۔ یہی وجہ کہ تمام مزاحمتی گروہوں نے ان کی وفات پر باقاعدہ تعزیتی پیغامات جاری کیے ہیں۔

قیامت کبریٰ کیا ھے!

عادل فراز

یہ چابیاں دیکھنے میں سادہ مگر وزنی ہیں۔ ان میں سے کچھ زنگ آلود بھی ہیں لیکن وہ صرف دھات کے ٹکڑے نہیں۔ ہر سال 15 مئی کو منائے جانیوالے نکبہ (فلسطین اسے قیامت کبری بھی کہتے ہیں) کے دن فلسطینی سڑکوں پر نکلتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ایک قیمتی آثار کو تھامے ہوئے ہوتے ہیں جسے بہت سے خاندانوں نے نسل در نسل اپنے پاس محفوظ رکھا ہوا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں ان کے ان گھروں کی چابیاں ہوتی ہیں جہاں سے انھیں 75 سال قبل اسرائیل کے معرض وجود میں آنے کے بعد نکال دیا گیا تھا اور پھر وہ کبھی وہاں لوٹ کر نہ آ سکے۔ غرب اردن میں رام اللہ کی رہائشی اور فلسطینی شہریت و پناہ گزین کے ریسورس سینٹر بورڈ کی رکن لبنی شمالی نے بی بی سی کو بتایا کہ انھوں نے چابیاں اپنے پاس رکھی ہوئی ہیں کیونکہ انھیں واپسی کی امید اور خواہش ہے۔ یہ چابیاں ان کے گھروں کی علامت ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان کے گھر ابھی تک وہاں موجود ہیں یا تباہ ہو چکے ہیں، کیونکہ ان کے پاس اپنے گھروں کو واپس جانے کا حق ہے جس کا بین الاقوامی قانون نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ اسرائیل نے 14 مئی 1948 کو اپنی آزادی کا اعلان کیا تھا جس کے اگلے ہی روز 15 ماہ تک جاری رہنے والی عرب اسرائیل جنگ کا آغاز ہوا تھا جس کے دوران ساڑھے سات لاکھ سے زیادہ فلسطینی اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور انھیں ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا۔ یہ وہی بے دخلی ہے جسے ہم نکبہ یا قیامت کبری کے نام سے جانتے ہیں اور ہر سال 15 مئی کو مظاہروں کے روپ میں اس کی یاد منائی جاتی ہے اور اس میں ان کے گھروں کی چابیوں کا اہم کردار ہوتا ہے۔

اسرائیل بننے والے علاقوں میں رہنے والے فلسطینی اسرائیلی فوجیوں اور صیہونی ملیشیا پر انھیں وہاں سے نکالنے کا الزام لگاتے ہیں۔ انھیں پھر کبھی واپس اپنے گھروں کو لوٹنے نہیں دیا گیا۔ تاہم اسرائیلی حکام یہ کہتے ہیں ہوئے اس الزام کا دفاع کرتے ہیں کہ عرب ممالک نے ہی فلسطینیوں سے کہا کہ وہ اپنی زمینیں اور گھر بار چھوڑ دیں تاکہ نوزائیدہ ریاست اسرائیل پر جب وہ حملہ آور ہوں تو انھیں جنگ کے نتائج بھگتنا نہ پڑیں۔ آج اقوام متحدہ تقریبا 60 لاکھ فلسطینی پناہ گزینوں کو تسلیم کرتا ہے، جن میں سے اکثر غزہ جنگ کے آغاز سے قبل اردن، غزہ، مغربی کنارے، شام، لبنان اور مشرقی یروشلم کے کیمپوں میں رہتے ہیں۔ شمالی یاد کرتے ہوئے بتاتی ہیں کہ فلسطینی کمیونٹیز میں بہت خوف تھا، بہت سے لوگ جو کچھ لے کر بھاگ سکتے تھے وہ لے کر بھاگے جن میں چابیاں بھی شامل تھیں۔ انھوں نے یہ سوچ کر اپنے گھر بند کر لیے کہ جب تشدد کم ہوگا، تو وہ واپس آ کر اپنی زندگی دوبارہ شروع کر سکتے ہیں۔

بہت سے معاملوں میں وہاں جانے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ جیسا کہ فلسطین کے عظیم شاعر محمود درویش کے آبائی شہر البروہ کے ساتھ ہوا۔ 11 جون کو جب اسرائیلی فوجی ایکرے سے تقریبا 10 کلومیٹر کے فاصلے پر البروہ پہنچے تو وہاں تقریبا 1500 لوگ مقیم تھے۔ آج وہاں صرف وہی بچا ہے جو کبھی سکول ہوا کرتا تھا۔ محمد کیال کے خاندان کو بھی البروہ سے بھاگنا پڑا تھا۔ انھوں نے الگلیلی میں یودیدی المکرّ میں اپنے گھر سے بی بی سی کو بتایا جس دن فوجی نمودار ہوئے، میرے والدین اپنی کچھ چیزیں لے کر قریبی شہر بھاگ گئے، جہاں انھوں نے زیتون کے درختوں کے نیچے میرے دادا دادی اور میرے دو بڑے بھائیوں کے ساتھ کئی دن گزارے۔ ان کے والدین عبدالرازق اور آمنہ کے پاس اچھی خاصی زمین تھی جہاں وہ پھل دار درخت، زیتون کے درخت اور دیگر فصلیں آگاتے تھے۔ پیشے سے صحافی اور مترجم کیال کہتے ہیں کہ انھوں نے اچھی زندگی گزاری تھی، ان کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ وہ عرب فلم سٹار ام کلثوم اور محمد عبدالوہاب کی فلمیں اور کنسرٹ دیکھنے حیفہ جایا کرتے تھے۔ راحت بھری ان کی وہ زندگی راتوں رات ختم ہو گئی۔

کیال کے خاندان نے اپنے سفر کا آغاز قریبی قصبوں سے کیا، جہاں ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ پہلے ایک دوریز خاندان، پھر ایک عیسائی خاندان اور آخر میں ایک مسلمان خاندان نے ان کی مہمان نوازی کی۔ عبدالرزاق نے ایک فیکٹری میں مزدور اور نائٹ گارڈ کے طور پر کام کرنا شروع کیا، جس کی مدد سے وہ اپنے آبائی شہر سے تقریبا دو کلومیٹر دور یودیدی میں زمین کا ایک چھوٹا ٹکڑا خریدنے اور آزادانہ طور پر رہنے کے لیے ایک کمرہ بنانے میں کامیاب رہے۔

محمد وہیں پیدا ہوئے اور اپنی زندگی کے 67 سال وہیں گزارے۔ حالانکہ بہت سے دوسرے فلسطینیوں کی طرح اگر ان سے پوچھا جائے کہ وہ کہاں سے تعلق رکھتے ہیں، تو وہ ہمیشہ جواب میں کہیں گے کہ 'البروہ سے۔ کیال قدرے تلخی کے ساتھ کہتے ہیں: میرے والدین نے البروہ واپس آنے کی تمام امیدیں کبھی نہیں چھوڑیں، حالانکہ انھوں نے دوبارہ کبھی اپنے گاں میں قدم نہیں رکھا۔ جب ان کی موت ہوئی تو وہ اپنی سرزمین میں جہاں پیدا ہوئے تھے دفن نہ ہو سکے۔ قصبے کے قبرستانوں کی بے حرمتی کی گئی اور سنہ 1948 کے بعد کسی کو دوبارہ وہاں دفن نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ اسکے سب سے مشہور پڑوسی محمود درویش کو بھی دفن نہیں کیا گیا اور انھیں رام اللہ میں ہی دفنا دیا گیا۔ درویش یا کیال کی جلاوطنی کی کہانی ان لاکھوں کہانیوں میں سے ایک ہے جس نے فلسطینیوں کے قومی شعور کو بنا ہے۔ فلسطینی، امریکی مرخ راشد خالدی بتاتے ہیں کہ فلسطینی جانتے ہیں کہ ان کے بہت سے گاں اور مکانات اب موجود نہیں ہیں۔

البروہ کی طرح تقریبا 400 فلسطینی بستیاں متاثر ہوئیں۔ پروفیسر خالدی کے مطابق جب سنہ 1947 کے آخر میں (اقوام متحدہ نے فلسطین کی تقسیم کے اپنے منصوبے کا اعلان کرنے کے بعد، جس نے اس علاقے کو دو ریاستوں میں تقسیم کیا، ایک یہودی اور ایک عرب) لڑائی شروع ہوئی اور جب تک کہ ریاست کا 14 مئی 1948 کو اعلان نہ ہوا اس وقت تک تقریبا 300,000 فلسطینیوں کو صیہونی ملیشیا نے ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ فلسطین، ون ہنڈرڈ ایئرز آف کولونولیلزم اینڈ رسسٹینس ' کے مصنف خالدی کا کہنا ہے کہ جنگ کے آغاز کے بعد اسرائیلی فوج نے فلسطینیوں کی زیادہ منظّم بے دخلی شروع کی اور مزید 450,000 لوگوں کو اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ یہ اعداد و شمار بس ایک تخمینہ ہیں، لیکن اقوام متحدہ جیسے بین الاقوامی اداروں کے زیر انتظام اعداد و شمار کے مطابق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ 80 فیصد فلسطینیوں کو بے دخلی کا سامنا کرنا پڑا۔ لبنا شومالی وضاحت کرتی ہیں کہ واپسی کی کوشش کرنے والوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا، قید کیا گیا یا جلاوطنی پر مجبور کیا گیا کیونکہ ان پر 'درانداز ' کا لیبل لگا دیا گیا تھا۔ خالدی بتاتے ہیں: صرف وہ لوگ جو پیچھے رہ گئے تھے اور اسرائیل نے اپنی پہلی مردم شماری میں انھیں رجسٹر کیا تھا، انھیں ہی اسرائیلی شہری تصور کیا گیا تھا۔ باقی تمام کو غیر حاضر قرار دیا گیا اور ان کی جائیداد ضبط کر لی گئی، چاہے وہ مثال کے طور پر مشرقی یروشلم کے ہی کیوں نہ ہوں اور ان کا گھر صرف شہر کے دوسرے حصے میں چند میٹر پر ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ جگہوں پر جہاں آبادی نے مزاحمت کی وہاں مورخین نے قتل عام کی دستاویز لکھی ہے جیسا کہ دیر یاسین میں ہوا جہاں جنگ شروع ہونے کے فورا بعد ایک سو فلسطینیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

مکہ مکرمہ کی مذہبی، تاریخی، ثقافتی روایات

عارف عزیز (بھوپال)

روئے زمین کی تمام عبادت گاہوں میں جو امتیازی شان وعظمت مسجدِ حرام کو حاصل ہے، دنیا کے تمام شہروں میں وہی محبوبیت وافضلیت مکہ مکرمہ کے لئے مسلم ہے، اسے ہم دنیا کا قدیم اور متمدن شہر بھی کہہ سکتے ہیں، یہاں پختہ مکان، عمارات، اور محلات بنانے کا رواج بعد میں شروع ہوا لیکن جب اِس کا آغاز ہوگیا تو اہل مکہ کے تعمیری ذوق نے پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا، یہاں کے مکان عام طور پر کشادہ، آرام دہ اور خوبصورت ہوتے ہیں، جس میں قومی روایات کا خواب اظہار ہوتا ہے، مہمان نوازی یہاں کے شہریوں کے رگ وپے میں پیوست ہے اور اس کا ثبوت ہر مکان میں مہمانوں کے لئے مہیا کی جانے والی آرام وآسائش کی سہولتوں سے ملتا ہے، حجاج کرام کی ہر سال خدمت کرنا تو اہل مکہ کی زندگی کا ایک حصہ ہے لیکن حج کے بعد سال بھر آنے والے زائرین کو بھی وہ سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں۔

مکہ مکرمہ کی سرزمین بجز مرقدِ اطہر ﷺ سب سے افضل ہے، حدود حرم کے ساتھ سارا مکہ محترم ہے، حجرِ اسود کی چمک جہاں جہاں پہونچی وہاں تک حرم کے حدود قائم ہوئے، بیت الحرام کی یہی حرمت نصِ قرآنی سے بھی ثابت ہے۔ یہ انبیاء کرام کی جائے عبادت ہے، سینکڑوں انبیاء اس شہر میں آسودہ خواب ہیں۔ یہاں آنے والا اللہ کا مہمان ہوتا ہے، اسے قرآن نے ''بلد امین'' امن والا شہر قرار دیا ہے، اسی لئے یہاں قتال وجدال یہانتک کہ شجر کاٹنا بھی منع ہے۔

بعض علماء نے یہاں زراعت کو بسبب کٹائی ممنوع قرار دیا ہے، مشرکین کے داخلے اور اسلحہ لانے پر پابندی عائد ہے، یہاں کی مٹی کو کسی دوسری جگہ منتقل کرنا حرام ہے، یہ وہ شہر ہے جسے مولدِ نبیؐ ہونے کا اعزاز حاصل ہے، یہاں رسول پاک ﷺ کا عہدِ طفولیت بیتا، یہاں آپؐ نے پرورش پائی، جوانی کا عہد بھی اسی شہر میں گزرا، یہاں آپ نے تین عقد فرمائے، سوائے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ تمام اولادیں یہاں پیدا ہوئیں، اسی شہر کے غارِ حرا (جبل نور) پر آپؐ نے تنہا عبادت فرمائی، وحی نازل ہوئی اور قرآن کے اترنے کے سلسلہ کا آغاز ہوا، اسی شہر میں نبی آخر الزماں ﷺ نے منصب نبوت کا اعلان فرما کر اسلام کی عالمگیر تبلیغ کا آغاز کیا۔ اسی شہر میں اکثر فرائض واحکام نازل ہوئے۔ اسی شہر پاک میں معجزہ شق القمر کا صدور ہوا، اسی جگہ پتھروں نے آپؐ کو سلام کیا اور درخت تعمیل ارشاد میں قریب آئے، یہیں سے اسریٰ اور معراج ہوئی، آپؐ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور ۸ ہجری میں فتح مکہ پر عام عفو ودرگذر کا اعلان کیا، یہاں مسجدِ حرام کے ''باب السلام'' سے تھوڑے فاصلہ پر محلّہ سوق اللیل تھا، اس سے متصل گلی میں حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا گھر تھا، یہی مکان رسول پاکؐ کا جائے پیدائش ہے جسے سعودی حکومت نے لائبریری کی حیثیت سے باقی رکھا ہے، حرم شریف اور اس مکان کے درمیان دشمنِ اسلام ابوجہل کے مکان پر طہارت خانے بنادیئے گئے ہیں جو اس جگہ کا مناسب مصرف ہے۔ ہم مولدِ نبیؐ کی زیارت کرنے پہونچے تو دیکھا کہ لوگ وہاں مختلف طریقوں سے اپنی عقیدت کا اظہار کررہے ہیں، ایک ترک خاتون اپنے رومال سے مکان پر جمی گرد کو سمیٹ رہی تھی، کئی لوگ اپنا چہرہ ہاتھ یا بدن مکان کی دیواروں سے مس کرنے میں مصروف تھے، یہاں ہماری ملاقات مہاراشٹر کے ایک نوجوان سے ہوئی جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان کی نشاندہی کی اب یہاں بلند وبالا عمارت بن گئی ہے، جس کے اوپر غالباً مسجد تعمیر ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہ کی رہائش گاہ کے آثار بھی نہیں ملتے، کیونکہ وہاں دوسری تعمیرات کھڑی ہیں، نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ محلّہ زقاق الحجر میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مکان میں ہجرت تک مقیم رہے، اسی مکان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی، بعد میں یہاں مسجد بنادی گئی لیکن اب اس مکان کا وجود نہیں، اس شہر میں مذکورہ مقامات کے علاوہ اسلام کا پہلا مدرسہ ''دارِ ارقم''، مسجد رایہ، مسجد جن، مسجد اجابہ، مسجد کائن، مسجد ذی طوی، مسجد عائشہ، مسجد ماثورہ، قدیم زیارت گاہیں جنت معلیٰ، جبلِ ماثورہ، ثبیر مقدس پہاڑ ہیں، تین قدیم قلعے، قلعہ جیاد، قلعہ ہندی اور قلعہ شاہی کے آثار اب بھی نظر آجاتے ہیں۔

مکہ معظّمہ ہر دور میں سربراہان حکومت، اربابِ اقتدار، زعماء اور حکام کا مرکزِ نگاہ رہا ہے، مقامی باشندوں کی میزبانی، مہمان نوازی، سیر چشمی اور فراخ دلی اس سرزمین پر قدم رکھنے والوں کو متاثر کردیتی ہے، چالیس پچاس سال پہلے یہاں غربت کا بول بالا تھا، میرے والد بزرگوار (سید رحمت علی صاحب عزیز میاں مرحوم) ۱۹۶۳ء میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے تشریف لے گئے تھے، اس وقت دو ہندوستانی روپیوں کے بدلہ میں بآسانی تین ریال مل جاتے تھے، آج ایک ریال کی قیمت ساڑھے گیارہ روپے ہے، بھوپال نژاد اور امورِ خیر میں پیش پیش رہنے والے معلم شیخ صالح عبدالصمد ساعاتی مرحوم فرماتے تھے کہ ''میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہاں کی دنیا بدل گئی، پہلے آنے والے حاجی معلوم کرتے تھے کہ ان کی رقم کس مستحق کو دی جاسکتی ہے، بعد میں آنے والوں کو یہ تلاش ہونے لگی کہ فلاں سامان کہاں سے خریدا جائے''، پچاس سال کے عرصہ میں تیل کی دولت سے صورتِ حال اتنی تبدیل ہوگئی کہ جو آنے والوں کے منتظر کرم ہوا کرتے تھے آج وہ حجاج کی میزبانی وخدمت میں طمانیت محسوس کرتے ہیں لیکن اللہ کے گھر کعبۃ اللہ سے اہل مکہ کا جو پرانا اور مستحکم تعلق ہے اس میں ذرا بھی کمی نہیں آئی، پہلے کی طرح وہ ہر نئے کام کا آغاز عمرہ یا کم از کم طواف سے کرتے ہیں، ہر سطح کے لوگ اہلِ خاندان کے ساتھ حرم شریف میں حاضری کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں، ایام حج کا ہجوم کم ہوتے ہی صحنِ حرم میں ایسے خاندان نظر آنے لگتے ہیں جن کا وقت زیارتِ کعبہ یا طواف میں گزرتا ہے اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ادھر اُدھر دوڑ بھاگ میں مصروف رہتے ہیں۔ مقامی باشندوں کی کوشش ہوتی ہے کہ حج کے دوران حرم میں بیرونی زائرین کو زیادہ سے زیادہ عبادت کا موقع ملے اور ان کو کسی طرح کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے، اسی مقصد سے وہ ٹھنڈے اور گرم مشروبات کے علاوہ کھانا اور پھل وغیرہ تقسیم کرتے ہیں، نومولود بچوں کو ولادت کے بعد نہلا دھلا کر سب سے پہلے حرم میں لانے کا رواج آج بھی قائم ہے، بحیثیت مجموعی مکہ شریف کی معاشرتی زندگی سادگی سے عبادت ہے، مرد یکساں لباس زیب تن کرتے ہیں، نیم آستین والا سفید قمیض، تہہ بند، ٹوپی، عقال اور غطرہ ان کا عام لباس ہوتا ہے، عورتیں ضرور اعلیٰ لباس کے ساتھ زیور پہنتی ہیں لیکن پردہ کی اتنی شدید پابندی ہوتی ہے کہ غیر محرم ان کی آواز نہیں سن سکتا، برقعہ کے بغیر وہ باہر نہیں نکلتیں اور مکانوں کے مردانہ حصہ میں بھی بے پردہ داخل نہیں ہوتیں، حرم میں دوسری ایشیائی خواتین کو تیز آواز میں گفتگو کرتے دیکھ کر عرب خواتین اکثر ٹوک دیتی ہیں، اسی طرح بغیر برقعہ کے نظر آنے والی خواتین کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتیں۔

مکرمہ مکرمہ زمانہ قدیم سے دینی علوم کا مرکز رہا ہے لیکن اب یہاں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم پر بھی توجہ دی جارہی ہے، ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے مدارس وکلیات کی تعداد یوروپ کے کسی بھی بڑے شہر سے کم نہیں حالانکہ پچاس برس قبل تک یہاں صرف چند مدارس قائم تھے، یہی حال کتب خانوں کا تھا، لیکن آج شہر مکہ میں درجنوں

کیونکہ موت کے بعد لاش کوفوراً سینٹرل اسپتال کے مردہ خانے میں منتقل کردیا جاتا ہے، یعنی میتیں گھروں میں رکھنے کا طریقہ نہیں، غسل ہو یا کفن ودفن یا میت کونماز جنازہ کیلئے مسجد اور اس کے بعد تدفین کیلئے قبرستان لے جانے کا کام حکومت یا اس کے ماتحت فلاحی ادارے انجام دیتے ہیں، اس سے پہلے پولس کا اجازت نامہ حاصل کرنا لازم ہوتا ہے، مقامی باشندے ہوں یا تارکِ وطن (غیر مقیم) سب کو تدفین کی اجازت کے لئے کئی سرکاری دفاتر سے سرٹیفیکٹ حاصل کرنے پڑتے ہیں، غیر مقیم متوفی کے ورثاء کی دشواریاں اس لئے بڑھ جاتی ہیں کہ انہیں اپنے سفارت خانے سے بھی رجوع کرنا پڑتا ہے، جہاں سے متوفی کی قومیت کی تصدیق کے ساتھ ایک سفارشی لیٹر سعودی حکومت کے نام جاری ہوتا ہے، اسے امیر شہر کے دفتر میں پیش کر کے تدفین کی اجازت مل جاتی ہے۔اسی سال (۲۰۰۶ء میں) نظام الدین کالونی بھوپال کی ایک خاتون منیٰ کے حادثہ میں زخمی ہوکر فوت ہوگئیں تھیں اور مختلف کارروائی میں تقریباً ایک ہفتہ کی تاخیر سے ان کی تدفین عمل میں آئی۔

مکہ شریف میں کسی زمانے میں اونٹ اور گدھے کی سواری عام تھی، آج کل دنیا کی قیمتی سے قیمتی کاریں یہاں کی شاہراہوں پر دوڑتی نظر آجاتی ہیں، دولت کی فراوانی اور خوش حالی کے باعث ۹۵ فیصد مکہ کے شہری موٹرنشیں ہیں۔ یہاں اونٹ، بھیڑ، بکری بکثرت اور گائے بہت کم نظر آتی ہیں، اسی طرح کبوتروں کی افراط، چڑیوں کی کمی، بلیوں کی کثرت ہے لیکن کوے دکھائی نہیں دیتے۔ جرول، حارث الباب، شبیکہ، جبل عمر، مصفلہ، معابدہ، حجون، جبل ابوقبیس، شعبِ بنی ہاشم، فلک، طریق ہجرہ اور شامیان، مشہور محلے ہیں جبکہ سوق الکبیر، بازار سویقہ، بابِ دریبہ، سوق اللیل، سوق الصغیر قابل ذکر بازار ہیں۔

پولس کی مستعدی اور عدالتوں کے کارگر نظام کے باعث ماخوذین کومقدمات کے فیصلہ کے لئے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا، شرعی نظام کے نفاذ سے جرائم کی شرح بھی محدود ہے، میونسپل کا محکمہ چاق وچوبند ہے، ٹرافک ضابطوں کی خلاف ورزی یا گاڑیوں کی ممنوعہ مقامات پر پارکنگ کے خلاف فوراً کارروائی ہوتی ہے۔ اور انہیں بلڈوزر کے ذریعہ اٹھالیا جاتا ہے، حج کے ایام میں رات ۱۱ بجے تک حرم کے اردگرد سوائے سرکاری گاڑیوں کے سبھی گاڑیوں کا داخلہ ممنوع رہتا ہے، ٹیکسی ڈرائیور بھی ٹرافک کے اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کرتے، پھر بھی حادثات ہوجاتے ہیں، اس کی ایک وجہ گاڑیوں کی تیز رفتاری ہے تو دوسرا سبب ہندوستان جیسے ممالک کے شہری ہیں، جن کی عادت سڑک کے بائیں جانب چلنے کی ہے، اکثر وہ یہاں کے دائیں طرف چلنے والے ٹرافک سے دھوکہ کھاجاتے ہیں، بھوپال کے ایک حاجی محمد احمد صاحب جو اپنی اہلیہ اور کمسن بچی کے ہمراہ حج کے لئے گئے تھے، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانگی سے عین قبل ٹرافک کا صحیح اندازہ نہ ہونے سے حادثہ کا شکار ہوکر چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے اور مدینہ منورہ کے دس روزہ قیام میں انہیں وہیل چیئر استعمال کرنا پڑی۔

یہاں کا مواصلاتی نظام دنیا کیلئے ایک مثال ہے، خاص طور پر ٹیلی فون کے ذریعہ مکہ مکرمہ کو پوری دنیا سے مربوط کردیا گیا ہے، حالانکہ حج کے پرہجوم ایام کے دوران صارفین کی تعداد حد سے تجاوز کرجاتی ہے لیکن نیٹ ورکنگ کی کمی کا پہلے جو عام شکوہ رہتا تھا اب وہ دورہ ہوگیا ہے۔ خاص طور پر جنوری ۲۰۰۶ء کے حج میں تو اندازہ ہوا کہ ہر چوتھے یا پانچوے حاجی کے پاس موبائل فون ہے، اس کی سِم سو یا پچاس ریال میں مل جاتی تھی، اگر موبائل فون کا سیٹ نہ ہوتو زرِضمانت پر وہ بھی کرایہ سے حاصل ہوجاتا تھا۔

مکہ مکرمہ میں قدیم باشندوں کی اکثریت قبائلی عرب اور دیہی علاقوں سے تعلق رکھتی ہے، عرب کے قدیم خاندان جن کی نسلاً بعدنسلٍ یہاں سکونت رہی، ان کی تعداد اب کم ہوگئی ہے، لوگوں کا عام پیشہ تجارت ہے اور بڑا حصہ حج کے موسم میں حجاج کی راحت رسانی اور مہمان نوازی کے کاموں سے وابستہ رہتا ہے اور یہی اس کی آمدنی کا اہم ذریعہ ہے، پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں زرعی پیداوار کا کوئی تصور نہیں، ضرورت کا سامان درآمد کیا جاتا ہے، صنعت وحرفت بھی نہیں ہیں، پھل اور سبزیاں طائف سے آتی ہیں، تربوز بکثرت ملتے ہیں اور خوش ذائقہ ہوتے ہیں، مکہ مکرمہ کے مذکورہ امتیازات وخصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے مجھے قاری محمد قاسم انصاری صاحب کے پہلے سفرحج کے وہ تجربات یاد آرہے ہیں جن میں موصوف نے مجھے شریک کرکے اسی حج کے دوران فرمایا تھا کہ آج جس سرزمین میں دنیا کی جملہ نعمتوں، آسائشوں اور سہولتوں کی فراوانی ہے وہاں پچیس سال پہلے تک یہ حال تھا کہ حاجی کومنیٰ کے قیام کے لئے پانی کی فکر مکہ مکرمہ سے دامن گیر ہوجاتی تھی، مکہ شریف میں بھی پانی کافی تگ ودو کے بعد حاصل ہوتا تھا لیکن آج سعودی حکومت کے حسنِ انتظام سے سمندر کا وہ پانی جسے صاف کرکے فراہم کرنے میں اس کی قیمت پیٹرول کے مساوی ہوجاتی ہے، حجاج کرام کو وافر مقدار میں بغیر کسی معاوضہ کے دستیاب ہورہا ہے۔اردوزبان کی خوشبو خلیج کے کئی ممالک میں پھیلی ہوئی ہے، وہاں اس زبان کے شعر وادب کا ایک جہان گرویدہ نظر آتا ہے، خاص طور پر برصغیر ہند- پاک سے جولوگ کام کی تلاش میں گئے ہیں ان کا اوڑھنا بچھونا یہی زبان ہے، خواہ اردو داں ہوں یا دوسری زبان بولنے والے، عام محفلوں، مجلسوں، بازاروں اور عبادت گاہوں میں وہ اپنے اظہار کا ذریعہ اردوکو ہی بناتے ہیں، اسی طرح مکہ مکرمہ میں حج کے ایام کے دوران جو مترنم الفاظ بارہا انسانی سماعت پر خوشگوار اثر ڈالتے ہیں۔ وہ اکثر اردو کے ہوتے ہیں، دوران طواف یا سعی کرتے ایسے حجاج مل جاتے ہیں جو بارگاہ الٰہی میں عرض ومناجات اپنی مادری زبان یعنی اردو میں کرتے ہیں۔ یہ بھی اس زبان کی مقبولیت کی دلیل ہے کہ بعض مقامات پر ہی سہی عربی اور انگریزی کے ساتھ اردو میں بھی ہدایات، اطلاعات، اعلانات نظر آجاتے ہیں، مکہ مکرمہ سے اردو کا کوئی اخبار شائع نہیں ہوتا لیکن جدہ سے نکلنے والا روزنامہ ''اردو نیوز'' یہاں بروقت پہونچ جاتا ہے، برصغیر کے بڑے اردو اخبارات میں ''سیاست'' و''جنگ'' بھی اسٹالوں پر موجود رہتے ہیں، مکہ میں مقیم اردو داں تارکین وطن انٹرنیٹ پر ہر صبح اردو روزناموں کا مطالعہ کرلیتے ہیں۔ مکہ شریف کے بارے میں تو علم نہیں لیکن جدہ اور ریاض دو ایسے سعودی شہر ہیں، جہاں مختلف عنوانات سے اہل اردو اپنی محفلیں منعقد کرتے ہیں اور سال میں دوتین بڑے مشاعرے اور جلسے بھی ہوجاتے ہیں، جن میں ہندوستان اور پاکستان سے معروف شخصیتوں کو مدعو کیا جاتا ہے۔

اردوزبان کے تعلق سے عام لوگوں کی اس دلچسپی کو اردو کی شیرینی اور مقبولیت کا ہی نام دیا جاسکتا ہے، اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے اردو کی نئی بستیاں یوروپ وامریکہ میں ہی نہیں مشرقِ وسطیٰ میں بھی پھل پھول رہی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں میرے پہلے دن کا ذکر گزر چکا ہے ۶/جنوری کو بعد نماز جمعہ جب میں اپنے ساتھیوں کی تلاش میں سرگرداں تھا تو ناکام ہوکر ایک پولس مین کا سہارا لینا پڑا، اس نے مجھے ایک پاکستانی تارکِ وطن نوجوان کے سپرد کردیا، پہلے تو حالت احرام میں دیکھ کر وہ مجھے ترک سمجھا لیکن جیسے ہی اسے اندازہ ہوا کہ میں اردو داں ہندوستانی ہوں، اس نے میری رہبری کی، جب بھی چلتے پھرتے یا خرید وفروخت کے وقت، ہندوستانی حجاج کو زبان کی اجنبیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو کوئی نہ کوئی اردو سمجھنے والا مل جاتا ہے، دوکاندار بھی تھوڑی بہت اردو سے واقف ہوتے ہیں۔ عربوں کو اگر احساس ہو کہ اردو بولنے والا ہندوستانی ہے تو وہ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ عالم عرب میں ہندوستانی مسلمانوں کو عام طور پر بےضرر تصور کیا جاتا ہے۔ حرم شریف میں ہرنماز کے بعد جنازہ کی نماز ہوتی ہے، فرض نماز کا سلام پھیرنے کے ایک دومنٹ بعد مکبّر نماز جنازہ کا اعلان کرتا ہے، کبھی کئی جنازوں کی تو کبھی ایک انفرادی جنازے کی نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے، نابالغ میت کی نماز جنازہ علاحدہ سے ادا کی جاتی ہے مکہ مکرمہ میں ایک ماہ کے قیام کے دوران صرف ایک دن نماز مغرب میں کسی جنازہ کی نماز نہیں ہوئی ورنہ ہم روزانہ پانچ وقت نماز جنازہ پڑھتے رہے۔

مہذب مذہب کا پیغام ڈرومت، ڈراؤمت

ڈاکٹر ریحان اختر:

گزشتہ دوتین ماہ سے ہندوستان میں چناؤ کا ماحول بنا ہوا تھا، دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت میں الیکشن کمیشن کی جانب سے حالیہ لوک سبھا الیکشن امن وسکون کے ساتھ سات مراحل میں کرائے گئے جن کے نتائج چار جون کو جاری کئے گئے تھے۔ ہندوستانی پارلیمانی انتخابات کے اختتام کے بعد نتائج نے بھارتیہ جنتا پارٹی)بی جے پی (کی زیر قیادت نیشنل ڈیموکریٹک الائنس)این ڈی اے (کے لیے فیصلہ کن فتح کا انکشاف کیا جس کی بدولت ان کو پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل ہوئی اس نتیجے نے حکمراں اتحاد کے طور پر این ڈی اے کی پوزیشن کو مضبوط کیا، جبکہ گانگریس کے زیر قیادت انڈیا الائنس بھی ایک مضبوط اور مستحکم اپوزیشن کے طور پر ابھری۔ نومنتخب ارکان پارلیمنٹ اور وزیراعظم کی حلف برداری کے بعد عوام کی توجہ پارلیمانی اجلاس کی طرف مبذول ہوتی ہے جہاں عوامی مسائل پر اہم بحثیں مرکزی سطح پر ہوتی ہیں۔

پارلیمانی اجلاس کے دوران سیاسی میدان سے تعلق رکھنے والے ارکان مختلف مسائل اور اہم موضوعات پر بات کرتے ہیں۔ ان میں اقتصادی پالیسیاں، صحت کی دیکھ بھال میں اصلاحات، بنیادی ڈھانچے کی ترقی، زرعی مسائل، تعلیمی مسائل، روزگار اور قومی سلامتی کے خدشات شامل ہو سکتے ہیں۔ یہ اجلاس نومنتخب اراکین کو اپنے ووٹروں کے تحفظات کا اظہار کرنے، قانون سازی میں تبدیلیاں تجویز کرنے اور پارلیمانی مباحثوں اور کمیٹی کے اجلاسوں کے ذریعے حکومتی اقدامات کی جانچ پڑتال کے لیے ایک فورم فراہم کرتا ہے۔ پارلیمانی اجلاس حکومت کے لیے اپنا ایجنڈا، پالیسیاں اور بجٹ مختص کرنے کے لیے ایک اہم پلیٹ فارم کے طور پر کام کرتا ہے۔ یہ اپوزیشن جماعتوں کے لیے بھی ایک موقع ہوتا ہے کہ وہ تنقید کریں اور متبادل نقطہ نظر پیش کریں کہ کس طرح قوم کی ترقی اور بہبود کے لیے اہم معاملات پر متوازن گفتگو کو یقینی بنایا جائے۔ مجموعی طور پر انتخابات کے بعد کا پارلیمانی اجلاس ہندوستان کے جمہوری عمل کا ایک اہم مرحلہ ہوتا ہے جہاں نومنتخب نمائندے اہم عوامی مسائل پر غور وفکر کر کے حکومت کے سامنے رکھتے ہیں۔

اس بار کے لوک سبھا الیکشن کے نتائج نے جہاں حکمران جماعت کے دعوے کو کمزور اور بے بنیاد ثابت کیا وہیں انڈیا الائنس اتحاد پر ہندوستانی عوام نے بھرپور اعتماد کا اظہار کیا اور اس اتحاد کو ایک مضبوط حزب مخالف کی شکل میں پیش کیا اور ہندوستان جیسی بڑی جمہوریت کے لئے اپوزیشن کا مضبوط ہونا ضروری بھی تھا کیونکہ کہ ہندوستانی پارلیمانی نظام میں ایک مضبوط اپوزیشن جمہوری اقدار کے تحفظ اور موثر حکمرانی کو یقینی بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ حکومتی پالیسیوں اور فیصلوں کا تنقیدی جائزہ لے کر اپوزیشن طاقت کے ممکنہ غلط استعمال کو روکنے اور احتساب کو فروغ دینے کے لیے کام کرتی ہے۔ یہ متنوع نقطہ نظر اور آوازوں کی نمائندگی کرتا ہے جو حکمران پارٹی کے ایجنڈے سے میل نہیں کھا سکتے، اس طرح یہ یقینی بناتا ہے کہ قانون سازی کی بحث عوام کے متنوع مفادات اور خدشات کی عکاسی کرتی ہے۔ نیز ایک مضبوط اپوزیشن صحت مند جمہوری گفتگو کو فروغ دیتی ہے، شفافیت کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور پارلیمانی اجلاسوں میں تعمیری شرکت کے ذریعے قوانین اور پالیسیوں کی اصلاح میں اپنی رائے شراکت درج کراتی ہے۔ جمہوریت کے اصولوں کو برقرار رکھنے، حکمرانی میں توازن برقرار رکھنے اور ہندوستان میں جامع اور جوابدہ فیصلہ سازی کے عمل کو فروغ دینے کے لیے اس کی موجودگی ضروری ہے۔

حال میں ختم ہوئے انتخابات کے نتائج سے یہ بات تو صاف ہوگئی تھی کہ اپوزیشن کی مضبوطی سے حکمران جماعت کی راہ گزشتہ دس سالوں کی طرح آسان ہونے والی نہیں ہے اور ہوا بھی کچھ ایسا ہی جیسی امید تھی۔ صدر جمہوریہ ہند کے خطاب کے ردعمل پر اپنی بات رکھتے ہوئے پارلیمنٹ کے اجلاس میں راہل گاندھی نے بطور اپوزیشن لیڈر نوے منٹ سے زیادہ اپنی پہلی تقریر کی جس پر ایوان میں کافی ہنگامہ بھی ہوا، ہنگامہ آرائی کے بعد مرکزی وزیر داخلہ امت شاہ سے لے کر پارلیمانی امور کے وزیر کرن رجیجو تک سبھی نے شکایت کی۔ جس کے بعد اسپیکر اوم برلا نے بڑی کارروائی کرتے ہوئے راہل گاندھی کی تقریر کے کئی حصوں کو ہٹا بھی دیا ہے۔ دراصل لوک سبھا میں اپوزیشن لیڈر راہل گاندھی نے بی جے پی اور مرکزی حکومت پر سخت حملہ کیا ہے۔ انہوں نے بی جے پی لیڈروں پر لوگوں کو فرقہ وارانہ خطوط پر تقسیم کرنے کا الزام لگایا ہے۔ راہل گاندھی کے اس حملے کی حکمراں جماعت نے سخت مخالفت کی تھی۔ راہل گاندھی کی تقریر کے دوران وزیر اعظم نریندر مودی نے دو بار کھڑے ہوکر مداخلت کی، نہ صرف یہ بلکہ مرکزی حکومت کے پانچ وزرا نے بھی اپنی نشستوں پر کھڑے ہوکر احتجاج کیا۔ راہل گاندھی نے اپنی تقریر کے دوران ملک کے کئی اہم اور سنجیدہ مسائل پر بات کی لیکن انھوں نے سب سے زیادہ وقت بی جے پی، وزیراعظم مودی اور ان کے پالیسیوں کی تنقید پر دیا۔ انھوں نے حکمران جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی)بی جے پی (پر الزام لگایا کہ اس نے گزشتہ سالوں میں سماج کے کئی طبقات میں خوف پیدا کر دیا ہے اور نفرت کو بڑھاوا دیا۔

راہل گاندھی نے کہا کہ جو لوگ اپنے آپ کو ہندو کہتے ہیں وہ چوبیس گھنٹے جھوٹ، فریب، دھوکہ ہنسا اور تشدد کی بات کرتے ہیں جبکہ ہندو مذہب تو اہنسا کو فروغ اور ایک ہندو ستیہ اور اہنسا کا پجاری ہوتا۔ جس پر حکمران جماعت کی طرف سے ہنگامہ کیا گیا اور کہا گیا کہ راہل نے پورے ہندو سماج کو ہنساوادی کہا ہے جس پر جواب دیتے ہوئے راہل نے کہا کہ، نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔۔ نریندر مودی پورا ہندو سماج نہیں ہے۔ بی جے پی پورا ہندو سماج نہیں ہے۔ آر ایس ایس پورا ہندو سماج نہیں ہے۔ راہل گاندھی نے اپنی تقریر کے دوران شیو جی اور دیگر مذاہب سے متعلق پلے کارڈ دکھاتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ ہر مذہب نفرت، تشدد، ہنسا کی پرزور مذمت کرتے ہیں اور دنیا کے تمام مذاہب آپسی بھائی چارہ، اتحاد، محبت، امن، عدم تشدد اور اہنسا پر زور دیتے ہیں اور اس کی فروغ کی بات کرتے ہیں۔ انہوں نے اس درمیان اسلام سے متعلق دعا مانگنے کا ذکر کیا، لوک سبھا میں عدم تشدد اور امن کی بات کرتے ہوئے حضرت محمد مصطفیؐ کا حوالہ دیتے ہوئے درود پڑھا اور کہا کہ دنیا کی تمام عظیم ہستیوں نے عدم تشدد اور خوف کو ختم کرنے کی بات کی اور بتایا کہ ڈرنا نہیں چاہیے۔ اور قرآن کی آیت کا ترجمہ بڑھا کہ اس نے)اللہ(فرمایا کہ ڈرومت میں تمہارے ساتھ ہوں، سنتا اور دیکھتا ہوں۔ انھوں نے مزید زور دیا کہ اسلام میں بھی کہا گیا ہے کہ ڈرنا نہیں۔ راہل نے ہندومت اور اسلام کے بعد سکھ مت، بدھ مت، جین مت اور عیسائیت کے مذاہب میں بھی بے خوفی کے پیغامات پڑھے۔

راہل گاندھی نے اپنے خطاب میں کہا کہ گزشتہ برسوں میں بی جے پی حکومت میں اقلیتوں کے ساتھ بہت ناانصافی ہوئی اور ان کے ساتھ ناروا سلوک رکھا گیا، ان پر ظلم کیا گیا، ان کے حقوق سلب کئے گئے حالانکہ ہمارے ملک کی اقلیت ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے جو ہر وقت ملک سے محبت اور ترقی کی راہ پر اپنا بھرپور تعاون دیتی آرہی ہے تو ایسے میں اس حکومت کو ان کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے تھا لیکن یہ حکومت اس تعلق سے پوری طرح ناکام نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ راہل گاندھی نے پارلیمنٹ میں کسان، مزدور، تعلیم، خاص کر نیٹ پیپر لیک اور دوسرے مقابلہ جاتی

فلسطینی اتھارٹی

ڈاکٹرمحمدضیااللہ

غزہ میں جاری اسرائیلی جنگ سے ہرروز وہاں تباہی مچ رہی ہے۔اسرائیل اپنے بمبار طیاروں سے صرف وہاں کی عمارتوں، اسکولوں، سڑکوں، اسپتالوں اور دیگر بنیادی سہولتوں کوہی تباہ نہیں کررہا ہے بلکہ ہزاروں فلسطینیوں کو بھی بہیمانہ ڈھنگ سے شہید کرکے تمام جنگی قوانین کو بے معنی بنا رہاہے۔اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے قتل کی سیاست پر عمل کرنا اسرائیل کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔اپنے قیام کے اول دن سے ہی اسرائیل اس پالیسی پر گامزن رہا ہے۔ کتنے ہی معروف فلسطینی قائدین کو اسرائیل نے اپنی اسی پالیسی کے تحت قتل کرکے ختم کردیا۔ان فلسطینی قائدین میں الجبھہ الشعبی لتحریر فلسطین کے کرشمائی لیڈر غسان کنفانی، فتح سے وابستہ مشہور فلسطینی لیڈر خلیل ابراہیم الوزیر)ابو جہاد(، حماس کے بانی وموسس شیخ احمد یاسین اور الجہاد الاسلامی کے قائدفتحی الشقاقی جیسی اہم ترین شخصیات شامل ہیں۔اعلی قائدین کونشانہ بناکر راستہ سے ہٹانے کی یہ رفتار 70 کی دہائی میں نسبتا کم تھی کیونکہ اس پوری دہائی میں شہید کئے گئے فلسطینی قائدین کی تعداد 14 تک پہنچی تھی۔ نئی صدی کی پہلی دہائی تک یہ تعداد 150 سے بھی متجاوز کر گئی تھی۔جنوری 2020 سے اب تک 24 کی تعداد مکمل ہوچکی ہے۔ ویکیپیڈیا پر تو باضابطہ ایک صفحہ اس کے لئے خاص ہے جس میں اسرائیل کی اس شرمناک حرکت کو اس کی کامیابی کی فہرست کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔لیکن اس فہرست کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس میں شہید کئے جانے والے ممتاز فلسطینی قائدین کے اسما کا تو ذکر ہے لیکن اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے کہ ایک فلسطینی لیڈر کو شہید کرتے وقت اسرائیل نے ان کے ساتھ کتنے معصوم بچوں،عورتوں اور مریضوں تک کوموت کے گھاٹ اتاردیا۔ اسرائیل کی اس بدکرداری اور بداخلاقی کو سمجھنے کے لئے 13 جولائی کونتن یاہو کے ذریعہ منعقد کئے جانے والے پریس کانفرنس کو دیکھنا اور سمجھنا ہوگا۔اس پریس کانفرنس کا انعقاد اس تناظر میں کیا جارہا تھا کہ غزہ میں حماس کے ملٹری لیڈر محمد الضیف کے قتل کی کوشش کا جشن منایا جانا مقصود تھا۔ اسرائیل نے اس سے چند گھنٹے قبل ہی خان یونس کے المواصی کیمپ پر جنگی جہازوں اور ڈرونز سے حملہ کرکے چند منٹوں کے اندر ہی 90 سے زائد عام فلسطینیوں کو شہید اور 300 معصوموں کو زخمی کردیا تھا۔

سوشل میڈیا پر جو تصویریں نشر ہوئی تھیں ان سے معلوم ہوا کہ زیادہ تر ہلاک ہونے والوں کے جسم جل کر کوئلہ بن چکے تھے اور ان کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل نے اس حملہ کے لئے امریکی فیکٹریوں میں تیارشدہ کئی گائیڈیڈ بموں کا استعمال کیا تھا۔ ان میں سے ہر بم کا وزن نصف ٹن بتایا گیا ہے۔آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ جہاں ایک طرف اس بے رحمی سے معصوم فلسطینیوں کا قتل کیا گیا وہیں محمد الضیف کی موت ہوئی یا نہیں اس کے بارے میں اسرائیل کو کچھ معلوم ہی نہیں ہوا۔ المواصی قتل عام کے محض چند گھنٹوں کے بعد ہی تل ابیب کی وزارت دفاع میں منعقد پریس کانفرنس کے مطابق خود نتن یاہو نے اس بات کا اعتراف کیا کہ محمد الضیف کی موت ہوئی یا نہیں اس کے بارے میں پختہ طور پر اس کو معلوم نہیں ہے۔ اس کا مطلب فلسطینیوں کی اتنی بڑی تعداد کو جنگ کے اصول کی ادنی درجہ میں بھی پرواہ کئے بغیر ہی اسرائیل نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس پر بھی نتن یاہو کی ڈھٹائی دیکھئے کہ اس نے معصوموں کے قتل کو جائز ٹھہرانے کے لئے یہ کہنے کی جرات کرلیا کہ حماس کے لیڈروں کے قتل کی صرف کوشش سے بھی دنیا کو یہ پیغام جائے گا کہ حماس کے پاس گنتی کے چند دن ہی بچے ہیں۔نتن یاہو اپنے اس بیان کے ذریعہ اپنے من کا وہم دور کرنا چاہتے ہیں۔اگر وہ اسرائیل کے ذریعہ نشانہ لگا کر شہید کئے جانے والے فلسطینی قائدین کی فہرست پر ایک اچٹتی نگاہ بھی ڈال لیتے تو انہیں اندازہ ہوجاتا کہ حماس کے سیاسی قائدین احمد یاسین اور عبدالعزیز الرنتیسی اور ان کے ملٹری لیڈران یحیی عیاش اور صلاح شحادہ کی شہادت سے اس تحریک کی طاقت پر کوئی اثر تک نہیں پڑا۔اس کے برعکس حماس کی مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہی ہوا اور اس سے وابستہ ہوکر فلسطین کی آزادی کا مقصد حاصل کرنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی چلی گئی۔آج حماس کی بسالت و جوانمردی اور قوت دفاع کا عالم یہ ہے کہ دس مہینے گزر جانے کے باوجود بھی اسرائیل جس کو اس خطہ کی سب سے طاقتور فوج ہونے کا زعم ہے ابھی تک اپنا کوئی ہدف پورا نہیں کر پایا ہے اور عام شہریوں کا قتل عام کرکے پوری دنیا میں اپنی رسوائی کا سامان خود پیدا کر چکا ہے۔تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اتنی ناکامیوں کے باوجود بھی اسرائیل برسہا برس سے فلسطینی قائدین کے قتل کی پالیسی پر کیوں گامزن ہے؟ اس کا ایک ہی معقول جواب سمجھ میں آتا ہے کہ اسرائیل کے لیڈران اپنے عوام کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔وہ اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے فلسطینی قائدین کے قتل کو ایک ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں خواہ نتائج مقصد کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔المواصی قتل عام کے فورا بعد ہی نتن یاہو کی پریس کانفرنس کا مقصد بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔محمد الضیف کو قتل کرنے کے لئے 13 جولائی کو جو حملہ کیا گیا تھا وہ ان پر کیا جانے والا اب تک کا یہ آٹھواں حملہ تھا لیکن وہ پھر بھی باحیات ہیں اور اپنا کام کررہے ہیں جیسا کہ حماس کے ایک لیڈر نے میڈیا کو بتایا۔ان پر کئے جانے والے ہر حملہ میں بیشمار قیمتی فلسطینی زندگیاں ختم کی گئیں ہیں ان کا بھی حساب رکھا جانا چاہئے اور اسرائیل کو اس کی سزا ملنی چاہئے تاکہ جنگی اصولوں پر کاربند رہنے کے لئے دنیا کے باقی ممالک کو بھی قائل کیا جاسکے۔ یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے کہ جب کسی فلسطینی قائد کو قتل کرنے کے عمل میں عام فلسطینیوں کو مارا گیا ہے۔ کتائب القسام کے لیڈر صلاح شحادہ کو جب 2002 میں شہید کیا گیا تھا اس وقت بھی 15 لوگوں کو اپنی جانیں گنوانی پڑی تھیں۔شحادہ کے ساتھ ان کی بیوی، پندرہ سالہ بیٹی اور 8 دیگر بچوں کو بھی شہید کردیا گیا تھا۔اس حملہ کے بعد بڑا ہنگامہ مچا تھا۔ 27 اسرائیلی پائلٹ نے غزہ پر پرواز کرکے شہریوں پر بم برسانے سے منع کردیا تھا۔جب پورے معاملہ کی تحقیق کے لئے کمیٹی تشکیل دی گئی تو بس اتنا کہہ کر پلو جھاڑ لیا گیا کہ انٹیلیجنس کی ناکامی کی وجہ سے ایسا ہوا تھا اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ عام شہری بھی حملہ کے وقت وہاں موجود تھے تو یہ حملہ نہیں کیا جاتا۔لیکن آج غزہ پر بمباری کرتے وقت تو اسرائیلی فوج اور فضائیہ کی اخلاقی حالت اتنی خستہ ہوگئی ہے کہ وہ اس پر احتجاج کرنے کے بجائے عام شہریوں کے قتل کا جشن مناتے نظر آتے ہیں۔

اسرائیل نے 2008 کے بعد ہی سے اپنی جنگی پالیسی میں تبدیلی پیدا کرلی ہے۔اس پالیسی کے تحت اسرائیلی فوج کی حفاظت کے لئے عام فلسطینی شہریوں کا قتل جائز قرار دیا گیا ہے اور اس پر اسرائیلی فوج کو کوئی سزا بھی نہیں دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ حماس کو روکنے کے لئے جان بوجھ کر شہری ٹھکانوں کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ انہی پالیسیوں کا نتیجہ ہے کہ اسرائیل مسلسل عام شہریوں کا اجتماعی قتل کررہا ہے اور اس کو جائز ٹھہرانے کے دراصل اسرائیل کا مقصد یہ ہے کہ جنگ کے عالمی اصولوں کو بدل دیا جائے۔ اسرائیل کے مطابق اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ عام شہریوں کے ٹھکانوں کو اتنی بار نشانہ بنایا جائے کہ جنگ میں وہ ایک معمول بن جائے۔

کانگریس کے نظریات

1970 کی دہائی میں جب ایک مشہور و معروف سیاسی تجزیہ نگار نے کانگریسی سسٹم لفظ کا استعمال کیا، تب واقعی میں یہ مبینہ سسٹم زیادہ دباو میں تھا اور تخریب کاری کا شکار ہو رہا تھا۔ اس کے لیے خطرہ باہر سے نہیں بلکہ اندر سے پیدا ہوا تھا اور نئے طرح کا سیاسی دباو بن رہا تھا۔ 1967 میں کانگریس کو 8 ریاستوں میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس وقت تک ایک ملک ایک الیکشن کے نظریہ کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی، لیکن ریاستوں کے اسمبلی انتخابات اور لوک سبھا انتخاب ایک ساتھ ہوئے تھے۔ تب لوک سبھا کا انتخاب بھی کانگریس کسی طرح جیت پائی تھی۔ کانگریس کو کسی ایک متبادل قومی طاقت نے نہیں بلکہ بہت ساری نئی اور یہاں تک کہ یکسر مخالف طاقتوں یا سیاسی اتحاد نے شکست دی تھی۔

تمل ناڈو کی ڈی ایم کے اور مغربی بنگال کی سی پی ایم میں کسی طرح کی کوئی یکسانیت نہیں تھی۔ ویسے ہی پنجاب کے اکالی دل اور مدھیہ پردیش، اتر پردیش و راجستھان میں ہندوتوا پر مبنی جن سنگھ میں بھی کوئی یکسانیت نہیں تھی۔ اسی سال یعنی 1967 میں ہی سماجوادی لیڈر رام منوہر لوہیا نے کانگریس مخالف پارٹیوں کا ایک محاذ بنانے کی اپیل کی تھی اور اس طرح ملک میں غیر کانگریسی سیاست نے پہلی بار ایک ٹھوس شکل اختیار کی۔ افسوسناک یہ ہے کہ رام منوہر لوہیا کی اس اپیل کا فائدہ سماجوادیوں کی جگہ ہندوتوادی طاقتوں کو ملا، جبکہ یہ دونوں یکسر مخالف تھے۔ ہندوتوادی طاقتوں کو اس کے بعد مضبوطی دے گئے جئے پرکاش نارائن۔ 1977 میں جب جئے پرکاش نارائن نے جنتا پارٹی تشکیل دی، تو ان طاقتوں کو پیر جمانے کا مزید ایک موقع مل گیا۔ آج نریندر مودی کی بی جے پی اسی کانگریس مخالفت پر زندہ ہے۔

حالانکہ اندرا گاندھی نے 1971 کا غریبی ہٹاو الیکشن جیتا اور پھر 1977 میں ایمرجنسی کے بعد ہوئے انتخاب میں شکست کے بعد انھوں نے 1980 کے انتخاب میں شاندار واپسی کی اور اس طرح رجنی کوٹھاری کے کانگریس سسٹم کا نظریہ زندہ رہا، لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی مکالفت میں پیدا سسٹم نے بھی اپنے لیے جگہ بنا لی تھی۔ کانگریس کو اکثر چھتری پارٹی کہہ کر مخاطب کیا جاتا رہا، کیونکہ یہ ایسی تنظیم رہی جس کے سایہ میں مختلف گروپ ایک ساتھ رہے۔ جس طرح آئیڈیا آف انڈیا ایک تجریدی تصور ہے، ویسے ہی کانگریس بھی ایک نظریہ ہے جسے یک رنگی سیاسی پارٹی کی شکل میں متعارف کیے جانے کی جگہ اسے ایسی سیاسی تخلیق کے طور پر دیکھا جانا چاہیے جو کثیر رنگی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کا نظریہ اور کانگریس نظریہ بڑی مضبوطی کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ یہ ہندوستان کا نظریہ یا پھر کانگریس کا نظریہ آخر ہے کیا؟ اس کے دل کی دھڑکنیں کہاں ہیں؟ دراصل اس کی جڑیں آزادی کی تحریک، گاندھی جی کے نظریات اور گاندھی جی کے اعلان کردہ جانشیں پنڈت جواہر لال نہرو کے نظریات میں پیوست ہیں۔ انہی نظریات کے ساتھ اس ملک کی پیدائش ہوئی۔ سماجی انصاف کے تئیں پرعزم ایک سیکولر جمہوریت، سائنسی سوچ میں لپٹے جدید ملک کا تصور، بین الاقوامی رشتوں میں غیر وابستگی جیسے پالیسی پر مبنی اصولوں کی شکل میں یہ نظریات آگے بھی ملک کی بنیاد بنے رہے۔ کانگریس اور ملک، دونوں کے نظریات کی بنیاد رہے گاندھی وادی اقدار۔ یہی درست ہے کہ ان نظریات پر ہمیشہ پوری طرح عمل نہیں ہوتا لیکن اس میں دو رائے نہیں کہ اس کی نظریاتی بنیاد یہی ہے۔

کانگریس کو کس طرح کی پارٹی مانا جائے۔ کانگریس کو دائیں محاذ کی طرف جھکی پارٹی تو نہیں ہی کہا جا سکتا ہے، اور سچ کہیں تو دائیں یا بائیں ان دونوں ہی سمتوں سے کانگریس کے نظریات الگ ہیں۔ حالانکہ دیکھنے والے اس میں دونوں کی ہی جھلک دیکھتے ہیں۔ اندرا گاندھی کی قیادت میں جب بینکوں، انشورنس کمپنیوں، کوئلہ کانوں کا نیشنلائزیشن ہوتا ہے تو اس میں بایاں محاذ کی طرف جھکاو دیکھا جاتا ہے، اور جب نرسمہا راو۔ منموہن سنگھ کی قیادت میں معیشت کا لبرلائزیشن کیا جاتا ہے تو کانگریس میں دایاں محاذ والا رجحان دیکھا جاتا ہے۔ لبرلائزیشن کے وقت کانگریس کو اس طرح کی تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑ تا ہیکہ اس نے نہرو کے سماجواد کو قربان کر دیا

کچھ کمیونسٹ خود پنڈت نہرو کی ان کے مبینہ پونجی وادی رجحان کے لیے تنقید کرتے تھے اور سوتنتر پارٹی تو انھیں دل سے کمیونسٹ کہا کرتی تھی۔ سماجوادی اور کمیونسٹ پنڈت جی کی مکسڈ معیشت پالیسی کی یہ کہہ کر تنقید کرتے تھے کہ یہ ظاہری طور سے پرائیویٹ سیکٹر کے پونجی واد کو فروغ دینا ہے۔ سوتنتر پارٹی کو منصوبہ کے اس مہالنوبس فارمولہ میں سوویت انداز دکھائی دیتا تھا اور وہ یہ کہتے ہوئے تنقید کرتی تھی کہ یہ پچھلے دروازے سے سوویت یونین جیسا سماجواد لانے کی کوشش ہے۔ حالانکہ نہرو مضبوط پبلک سیکٹر کی پالیسی کی وکالت کرتے تھے، لیکن انھوں نے کسی بھی بڑے کاروباری گروپ کا نیشنلائزیشن کرنے کی پیش قدمی نہیں کی۔ درحقیقت پرائیویٹ سیکٹر کا جو بھی تھوڑا بہت نیشنلائزیشن ہوا، وہ اندرا گاندھی کے دور میں ہوا اور انہی کی پیش قدمی پر سماجوادی اور سیکولر لفظ آئین کی تمہید میں جوڑے گئے۔ کانگریس کا مبینہ مرکز واد لازمی طور سے ایک تجرباتی، لبرل رخ تھا جس نے مختلف سماجی گروپوں اور معاشی مفادات کے لیے جگہ بنائی۔ کانگریس کی پالیسیوں نے عوامی خدشات اور ذاتی مفادات کے درمیان توازن قائم کیا۔ کانگریس نے سماجی فلاحی منصوبوں کے ذریعہ محروم طبقہ کو بھروسہ دیا، تو چھوٹے اور متوسط کاروباروں کی حوصلہ افزائی بھی کی، اور بڑلا و ٹاٹا جیسے سرمایہ دار گھرانوں کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کیا۔

کمیونسٹ ہوں یا سماجوادی، کسی کے بھی پاس کانگریس جیسا وسیع مینڈیٹ نہیں تھا۔ کانگریس کے پاس آر ایس ایس جیسا کیڈر بھی نہیں ہے جو بی جے پی کے لیے کام کرتا ہے۔ نہ ہی کمیونسٹوں کی طرح کارکنان ہیں جنھیں ٹریڈ یونین تحریک کے لیے ٹرینڈ کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی شخص کمیونسٹ پارٹی کا کارڈ ہولڈر تب تک نہیں بن سکتا جب تک کہ ممبر سلیکشن بورڈ ہری جھنڈی نہ دکھا دے۔ ویسے ہی آپ تب تک آر ایس ایس میں شامل نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو قبول نہیں کیا جاتا۔ بی جے پی میں دراندازوں کا استقبال ہو سکتا ہے، لیکن آر ایس ایس میں نہیں۔

یہاں تک کہ ذات پر مبنی پارٹیاں بھی چھان بین کر کے ہی لوگوں کو لیتی ہے۔ لیکن کانگریس کے دروازے سبھی کے لیے کھلے ہیں۔ کانگریس ایک کھلا گھر ہے جس میں کوئی بھی آ سکتا ہے، کوئی بھی جا سکتا ہے۔ کوئی بھی اس کا رکن بن سکتا ہے اور کوئی بھی اسے چھوڑ سکتا ہے۔ کوئی بھی اپنی ہی پارٹی کی حکومت کی پالیسیوں کی تعریف کر سکتا ہے، تو کوئی بھی اس کی تنقید کر سکتا ہے۔ گروپ بنائے جا سکتے ہیں، گروپ توڑے جا سکتے ہیں ... پھر بھی کارواں چلتا رہتا ہے۔ ایسی ہے کانگریس!

پنڈت نہرو ایسے لوگوں سے گھرے ہوئے تھے جو ہندوتوا نظریہ میں مضبوطی کے ساتھ یقین کرتے تھے، پھر بھی ان سب نے نہرو کی قیادت کو قبول کیا۔ اندرا گاندھی پارٹی کے دایاں محاذ گروپ سے گھری رہتی تھیں، جسے سنڈیکیٹ نام سے بھی جانا جاتا ہے، لیکن ان کے مبینہ کچن کیبنٹ میں مارکسوادی یا واضح طور سے سوویت یونین کی طرف جھکے لوگ بھی تھے۔ مورار جی دیسائی جیسی گاندھی وادی بھی تھے، جو نہرو کی کابینہ سے لے کر اندرا کی کابینہ تک کا حصہ رہے۔ پارٹی چلتی رہی، انتخاب جیتتی رہی۔

طویل اور صحت مند زندگی کے راز

کیا آپ جانتے ہیں کہ روزانہ چہل قدمی، شکرگزاری اور خوش رہنے کی عادات آپ کی زندگی کو طویل بنائے رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ آئیں ! آج صحت مند زندگی گزارنے کے کچھ حقیقی رازوں سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

صحت کی دنیا میں کئی روشن اور کئی تاریک پہلو بیک وقت نمایاں رہتے ہیں جن کی وجہ سے ہم تذبذب کا شکار ہوجاتے ہیں کہ صحت مند رہنے کے لیے کیا مفید ہے اور کیا نقصان دہ؟

آئے دِن طبی تحقیقات کے ذریعے ایسے نئے نئے امراض کا انکشاف ہوتا رہتا ہے جو آپ کے لیے جان لیوا ثابت ہوسکتے ہیں مگر کیا آپ جانتے ہیں کہ صرف اپنا رہن سہن کا انداز بدلنے سے آپ زیادہ تر جان لیوا بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے بین الاقوامی ادارہ صحت کے مطابق فالج، ذیابطیس اور حرکتِ قلب بند ہونے کے 80 فیصد واقعات اور کینسر کے 40 فیصد واقعات ایسے ہوتے ہیں جنھیں بہترین حفاظتی اقدامات کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے آپ کو کچھ زیادہ تردد کرنے کی ضرورت نہیں، آپ صرف چند ایسی صحت مندانہ سرگرمیوں کو اختیار کرکے اپنی زندگی کو طویل بناسکتے ہیں، یہ سرگرمیاں دراصل دنیا کے صحت مند ترین لوگوں کی زندگیوں کا نچوڑ ہیں۔ یوں طرز زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی کرنے سے آپ بہترین صحت مند زندگی سے لطف اندوز ہوسکتے ہیں۔

دوستوں کے ساتھ وقت گزارنا

اچھی صحت کے لیے ایک بہترین اور نہایت دلچسپ کام کریں، آپ اپنے اہل خانہ اور دوستوں پر مشتمل ایک معاشرتی فعال گروپ بنائیں۔ ڈاکٹروں اور محققین کے مطابق طویل صحت مند زندگی بسر کرنے والے افراد معاشرتی طور پر فعال ہوتے ہیں۔ تنہائی نہ صرف اذیت ناک امر ہے بلکہ یہ جان کا روگ بھی بن جاتی ہے۔

ایک اور تحقیق کے مطابق پریشانی اور افسردگی میں سگریٹ پینے کے بجائے کسی دوست یا ہم خیال کے ساتھ ہواخوری کرنا اور بات کرنا زیادہ سکون آور ہے۔ اگر آپ ایک مضبوط اور مثبت معاشرتی حلقہ احباب سے محروم ہیں تو آج سے ہی ان صحت مندانہ سرگرمیوں کو اپناتے ہوئے اپنا حلقہ احباب بنائیے۔

سگریٹ نوشی سے پرہیز

اگر آپ نے ابھی تک سگریٹ نوشی ترک نہیں کی تو ابھی ترک کردیجئے۔ امریکی قومی ادارہ برائے صحت کی رپورٹ کے مطابق سگریٹ نوشی ترک کرنا صحت مند زندگی گزارنے کے پانچ بہترین کاموں میں سے ایک ہے۔ سگریٹ نوشی بہت سے ممالک میں قانونی طور پر جائز ہے مگر تمباکونوشی بہرحال انسانی جان کی دشمن ہے اور اس سے پرہیز ہی بہترین عادت ہے۔ امریکہ میں پھیپھڑوں کے امراض سے متعلق ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق تمباکونوشی کے علاوہ ہیروئن اور دیگر دھواں دار نشے بھی پھیپھڑوں کو ناکارہ بنادیتے ہیں۔ آسان اور مختصر الفاظ میں بات سمجھنا چاہیں تو ایک کام کریں کہ تازہ ہوا کے علاوہ اپنے اندر کوئی نشہ آور یا مضر دھواں پھیپھڑوں تک مت پہنچائیں۔

کبھی کبھار فاقہ کرنا

فاقہ کرنے سے صحت کو فائدہ پہنچتا ہے، باقاعدگی سے ماہانہ یا ہفتہ وار فاقہ کرنے سے صحت اچھی ہوتی ہے اور بیمار ہونے کے خطرات کم ہوتے ہیں۔ فاقہ کرنیوالے افراد نہ صرف لمبی زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ جسمانی طور پر بھی اپنے ہم عمر افراد کے مقابلے میں زیادہ جوان لگتے ہیں۔ آپکو احساس محرومی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ آپ بھی ایک معینہ مدت کے مطابق 12 سے 24 گھنٹے کے دورانیے پر مشتمل فاقہ کرکے خود کو صحت مند رکھ سکتے ہیں۔ اس طرح آپ کا جسم زیادہ کیلوریز کو استعمال کرنے کا عادی ہوگا اور آپ کو بھوک بھی نہیں لگے گی۔ عام فہم انداز میں کہا جائے تو جسم میں موجود کیلوریز کو جسم استعمال کرکے ان سے فائدہ تو حاصل کرے گا مگر آپ کو بھوک نہیں لگے گی۔

روزانہ ورزش کرنا

اخبار پڑھنے والے یا انٹرنیٹ استعمال کرنیوالوں کو لیے یہ خبر نئی نہیں ہوگی کہ ورزش کرنا صحت کیلئے بہت فائدہ مند ہے۔ امریکی قومی ادارہ برائے صحت کی تحقیق کے مطابق جو لوگ زیادہ فعال اور ورزشی سرگرمیوں میں وقت گزارتے ہیں وہ دیگر سست افراد کے مقابلے میں زیادہ لمبی عمر پاتے ہیں۔ آپ کو جنونی انداز میں ہر وقت جم میں ورزش کرنے اور بہت زیادہ دوڑ لگانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ آپ اپنی گلی میں کچھ دیر چہل قدمی کرلیں یا دوستوں کے ساتھ ٹینس کھیل لیں یا اپنے پالتو جانور کو ٹہلانے لے جائیں یا باغبانی کرلیا کریں یا ہلکی پھلکی کوہ پیمائی کرلیں یا ہفتہ وار چھٹی کے دن بائی سائیکل پر سواری کرلیں۔ ان میں کوئی سی بھی عادت اختیار کرلیں۔

باقاعدگی سے مچھلی کھانا

باقاعدگی سے مچھلی کھانے سے بیماریوں بالخصوص امراضِ قلب اور ذیابطیس جیسے موذی مرض کے لاحق ہونے کا خطرہ کم ہوجاتا ہے۔ سب سے زیادہ صحت مند افراد ہفتے میں کم از کم ایک بار مچھلی ضرور کھاتے ہیں، نیز جو لوگ سرخ گوشت کم کھاتے ہیں وہ بھی صحت مند رہتے ہیں۔

پریشانیوں کو سر پر سوار نہ کریں

چھوٹی چھوٹی پریشانیوں کو سر پر سوار کرلینا صحت مند سرگرمی نہیں ہے۔ مستقل پریشانی اور دباؤ میں رہنے سے امراض قلب، ذیابطیس، کینسر اور ذہنی امراض لاحق ہونیکا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کی تحقیق بتاتی ہے کہ اس سے نہ صرف کئی امراض لاحق ہوتے ہیں بلکہ زندگی کا دورانیہ کم ہوجاتا ہے۔ گوکہ کئی پریشانیوں کا حل آسان نہیں ہوتا مگر صحت مند افراد روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی پریشانیوں سے نبردآزما ہونے کا ہنر سیکھ جاتے ہیں۔

بامقصد زندگی گزارنا

بلیوزون سٹڈی نامی تحقیقاتی پروگرام کے تحت جب لمبی صحت مند زندگی گزارنے والے افراد کی عادات وطرز زندگی کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ مختلف مذاہب اور مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے طویل العمر افراد میں ایک بات مشترک تھی کہ وہ سب بامقصد زندگی گزارنے کے فلسفہ پر یقین رکھتے تھے۔

جو لوگ اپنی زندگی کو کسی مقصد کے تحت گزارنے پر عمل پیرا ہوتے ہیں وہ عام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ لمبی عمر پاتے ہیں۔ اپنے لیے کوئی بڑا مقصد چن لیں اور اس کے تحت زندگی گزاریں۔

نشہ آور مشروبات سے پرہیز

گوکہ الکوحل والے مشروبات پینے یا نہ پینے کے بارے میں سائنسی مفروضات تشکیک پرمبنی ہیں مگر یہ بات برحق ہے کہ روزانہ الکوحلک مشروبات کا استعمال کینسر لاحق ہونے کے خطرات کو بڑھاتا ہے۔

جسمانی وزن کنٹرول کریں

امریکی قومی ادارہ برائے صحت کے مطابق جسمانی وزن کا عمر کے لحاظ سے مقرر کردہ معیار تک رہنا ہی صحت مندی ہے۔

میڈیکل ریسرچ کے مطابق جو وزن کا چارٹ عمر اور

مہمانوں کی آمد مرحبا!

بچپن کی یادوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کبھی گھر میں اعلان ہوتا کہ کل پرسوں کوئی اہم مہمان آنے والا ہے اور وہ چند دن قیام بھی کرے گا تو بس پھر کیا تھا۔ سب لگ پڑتے۔ فرش چمکائے جاتے، کونوں کھدروں میں جمع شدہ کچرا کھرچ کھرچ کے صاف ہوتا، بستر کی چادریں، تکیوں کے غلاف اور تولیے دھو کے استری کر کے بدلے یا تہہ کر کے رکھے جاتے، چارپائیوں تلے مدت سے پڑے گرد آلود جوتے جھاڑ پونچھ کے الماریوں کے نچلے خانے میں ترتیب وار جمع ہو جاتے۔ باورچی خانے میں پڑے فالتو برتن اسٹور میں اور اسٹور سے پھول دار ڈنر سیٹ اور واٹر سیٹ رسوئی میں منتقل ہو جاتے۔

بیت الخلا کی دن میں دو بار دھلائی صفائی کا حکم فوراً نافذ ہو جاتا۔ پرانی صابن دانیاں پھینک کے نئی میں نیا صابن دھرا جاتا۔ بجلی کے سوئچ بورڈز پر لگے میلے بٹنوں کی بھی مہین چیتھڑوں سے صفائی ہوتی۔ بچوں کو دھمکی آمیز نرم لہجے میں ضروری ہدایات جاری ہوتیں، مثلاً مہمان کے کمرے کے باہر شور نہیں مچانا۔ کھانے کی میز پر ندیدہ پن نہیں دکھانا، مہمان جتنا پوچھے بس اتنا جواب دینا ہے۔ مہمان کے سامنے تم اور تو کے بجائے ہر بڑے چھوٹے کو) کم از کم چند روز کے لیے (صرف آپ کہہ کے مخاطب کیا جائے، بصورتِ دیگر مہمان کی رخصتی کے بعد مناسب تادیبی و تعزیری کارروائی ہوگی۔

بچپن کی یادوں کا یہ باب بے طرح مجھے یوں یاد آ رہا ہے کہ ان دنوں ہمارے ریاستی بزرگوں کو کچھ خصوصی مہمانوں کا انتظار ہے۔ ان کے بارے بس اتنا بتایا گیا کہ وہ ہمارے لیے 70 سے 100 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کا تحفہ لے کر آ رہے ہیں۔ ان کے سواگت کے لیے پہلے ہی اسپیشل انویسٹمنٹ فیسیلیٹیشن کونسل) خصوصی سرمایہ کاری کا سہولت کار ادارہ (بن چکی ہے۔ ویسے بھی اب عالمی برادری میں ہماری شہرت یہی ہوتی جا رہی ہے کہ تم آ گے تو کیا لا گے، ہم آئیں گے تو کیا دو گے۔ چنانچہ آج کل کاشانۂ ریاست کی رگڑائی و ہمواری کا کام جاری ہے تاکہ سرمایہ کاری کے لیے سازگار ماحول پیدا کیا جا سکے اور مہمانوں کا قیام خوش گوار رہ سکے۔ بجلی اور گیس کی چور بازاری کے خاتمے کے لیے متعلقہ محکمے اور قانون نافذ کرنے والے ادارے لٹھ لے کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔

ڈالر کی اسمگلنگ روک کے روپے کی گرتی ہوئی قدر کو سہارا دینے کے لیے وفاقی تحقیقاتی ادارے ایف آئی اے کو نیند سے اٹھا کے ہڑبڑا دیا گیا ہے۔ دہشت گردوں کو بھوسے میں سے سوئی کی طرح نکال کے ان کا کریا کرم کرنے کی کوششوں میں بھی زور پیدا ہو گیا ہے۔ قومی خسارہ کم کرنے کے لیے گیس پٹرول اور بجلی کے رعائتی نرخوں کی ڈھال ہٹا کے مارکیٹ ریٹ کے حساب سے خونخوار قیمتوں کو عوام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

نجکاری کی وزارت کے لیے آنے والے دن بہت مصروف ہوں گے۔ پی آئی اے، اسٹیل ملز، ایئرپورٹس، بجلی کے تقسیم کار ادارے، کارپوریٹ فارمنگ اور معدنیات وغیرہ سمیت متعدد سرکاری شعبے جلد از جلد نج کاری کے لیے شارٹ لسٹ کیے جا رہے ہیں۔

ریاستی انصرام میں شفافیت پیدا کرنے کے لیے سپریم کورٹ نے احتسابی ادارے نیب کے ایکٹ میں گزشتہ حکومت کی من مانی ترامیم کو کالعدم قرار دے کر اربوں روپے کی ہیرا پھیری سے متعلق مقدمات باہمی پارلیمانی افہام و تفہیم سے نمٹائے جانے کے عمل کو بھی کالعدم قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ اب ملک میں کرپشن میں کمی کے ذریعے قطار سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے والوں کو دوبارہ ڈسپلن کرنے کے لیے نیب کو اس کے نوکیلے دانت واپس ملنے کا امکان ہے۔

جن شریر سیاسی بچوں نے پدرانہ شفقت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ریاستی بزرگوں سے حد سے زیادہ بدتمیزی شروع کر دی تھی انہیں پھر سے تمیز سکھانے کے لیے کان اینٹھنے کا ایک علیحدہ انتظام وضع کیا گیا ہے۔ ان نادان و ناہنجار بچوں کے ہوش ٹھکانے لگانے کے لیے مقدمات کے ٹھنڈے گرداب میں غوطے دیے جا رہے ہیں۔ جس طرح بدتہذیب بچوں کو والدین تنگ آ کے کچھ دیر کے لیے اندھیرے کمرے میں بند کر دیتے ہیں اسی طرح ریاست ایسے بدعقلوں کو جیل میں رکھ رہی ہے تاکہ انہیں لگ پتہ جائے کہ " کھلا سونے کا نوالہ اور دیکھو شیر کی نظر سے کی کہاوت کا حقیقی مطلب کیا ہے۔

اور پھر چند ماہ بعد ہونے والے انتخابات میں جب یہ جھنجوڑے ہوئے بچے حصہ لیں گے تو سرمایہ کاری کے لیے سازگار سیاسی و اقتصادی استحکام لانے کی خاطر خاندان کے دیگر سعادت مند بچوں کی طرح فرماں برداری کے فوائد کے کماحقہ قائل ہو چکے ہوں گے۔ تب تک انہیں یہ سبق بھی ازبر ہو چکا ہوگا کہ والدین کی شفقت اور لاڈ پیار کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بچہ باپ کی داڑھی پکڑ کے جھول جائے اور اس کے سر پر سرکس کے بازی گروں کی طرح چڑھنے کی کوشش کرے۔

انتخابات کا جو بھی نتیجہ مرتب ہوگا سب کو قبول کرنا ہوگا اور یوں ویسا والا سیاسی استحکام آ جائے گا جس کے نتیجے میں وہ سوا رب ڈالر آئیں گے کہ جن کی اطلاع ہم تک ڈالر لانے والے ممکنہ مہمانوں سے بھی بہت پہلے پہنچا دی گئی ہے۔ یعنی منڈپ سجا دیا گیا ہے، شامیانے تن چکے ہیں، کرسیاں بچھ گئی ہیں، ریڈ کارپٹ بھی کھل گیا ہے۔ خالی دیگیں کھڑک رہی ہیں، باورچی اور باوردی بیرے مستعد ہیں، بس مہمانوں کے آنے کی دیر ہے۔ اگر اوپر والوں سے پوچھو کہ کون کون سے لدے پھندے مہمان آ رہے ہیں، کتنے ہیں، نام کیا ہیں، کب تک قیام کریں گے، کیا کیا تحائف لائیں گے اور ہم انہیں کون کون سے منصوبے بطور نذرانہ پیش کریں گے؟ ایسے بچگانہ سوالات کا فی الحال بس ایک ہی جواب میسر ہے۔ بزرگوں کے لبوں پر ایک پراسرار خاموش مسکراہٹ۔ اس کے برعکس ہمارے پڑوس میں جی ٹوئنٹی ہو گئی۔ بھارت سے براستہ خلیجی ممالک یورپ تک امریکی سرپرستی میں اربوں ہا ڈالر کی سرمایہ کاری کا ابتدائی خاکہ بھی سامنے آ گیا۔ سعودی ولی عہد محمد بن سلمان نے دلی میں جی ٹوئنٹی کے بعد دو اضافی دن بھی گزار لیے اور اس دوران پچاس ارب ڈالر کے صرفے سے ریاست گجرات میں دنیا کی سب سے بڑی آئل ریفائنری کے منصوبے میں آرامکو اور ریلائنس انڈیا کے اشتراک سمیت خلائی و دفاعی منصوبوں، سیمی کنڈکٹرز کی تیاری اور قابلِ تجدید توانائی اسکیموں میں کل ملا کے اگلے پانچ برس میں 100 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری اور اسی عرصے میں دو طرفہ تجارت 43 ارب سے بڑھا کے 100 ارب ڈالر تک پہنچانے کی یادداشتوں کا بھی تبادلہ ہو گیا۔

مگر گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اگر ہمارے ریاستی بزرگوں نے اگلے پانچ برس میں انہی برادر ممالک کی جانب سے 100 ارب ڈالر تک کی سرمایہ کاری کی خوش خبری سنائی ہے تو کسی بنیاد پر ہی سنائی ہوگی۔ ہمیں نہ ان کی اور نہ مجوزہ سرمایہ کاری کرنے والوں کی نیت پر شبہ ہے۔ چنانچہ فرش کی صفائی، بستر کی چادریں، جوتوں کی پالش، کپڑوں کی استری اور صابن دانی کی صفائی سمیت کسی کام سے منہ نہیں موڑنا۔ کوا تو منڈیر پر بیٹھ گیا ہے، مہمان بھی بس آتے ہی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے یہ نجات دھندہ سفید گھوڑے پر بیٹھ کے آ جائیں۔

دنیا ہے جعلسازی کی

جعلسازی کی ایک مثال ہم جھوٹی تاریخی دستاویزات، مخطوطات، ڈائریوں اور خطوط کی دے سکتے ہیں، جس کو لکھ کر اور مرتب کر کے جعلساز سیاسی وسماجی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مثلا ڈونیشن آف کونسٹنٹائن، اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ جب 313 عیسوی کو کونسٹنٹائن مسیحی ہوگیا تو اس نے مسیحیت کو ریاست کا مذہب بنا دیا۔ اس موقع پر اس نے بحثیت مسیحی حکمراں، پوپ کے نام ایک دستاویز لکھی جس میں اسے یہ حق دیا کہ وہ مغربی یورپ کے حکمرانوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس دستاویز کی بنیاد پر پوپ یورپ کے حکمرانوں کی سیاست میں مداخلت کرتا رہا۔

رینے ساں کے عہد میں لورینزو ویلا (1457) جو ایک ماہر لسانیات تھا اسے پوپ نے ویٹیکن لائبریری کا انچارج بنا دیا۔ اس نے جب ڈونیشن کی عبارت کا مطالعہ کیا تو اس نے اعلان کر دیا کہ یہ ایک جعلی دستاویز ہے۔ چونکہ اس کی زبان اور عبارت تیسری صدی عیسوی کے بجائے آٹھویں صدی عیسوی کی ہے۔ کیونکہ جس نے یہ جعلی دستاویز لکھی تھی اس نے اپنے عہد کی زبان میں اسے لکھ دیا۔ لیکن جب لسانیات کے علم میں ترقی ہوئی تو اس کے ماہرین زبان کی تبدیلی کو سمجھنے لگے۔

لسانیات کے علم کی وجہ سے پرانے مخطوطات اور دستاویزات کی بھی تدوین کی گئی۔ کیونکہ کاتب نے نقل کرتے وقت بیچ بیچ میں اپنی رائے بھی دے دی تھی۔ اب لسانیات کے ماہرین اصلی اور جعلی عبارت کو سمجھ لیتے ہیں۔ اور مسودے کی ایڈیٹنگ کرتے وقت جعلی عبارت کو حاشیے پر یا Foot Note میں دے کر مسودے کی اصل شکل کو قائم رکھتے ہیں۔

جعلسازی کی اور بھی کئی شکلیں ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں جب وسط ایشیا، ایران اور عرب سے مہاجرین آتے تھے، تو یہ خود کو اعلی خاندان اور اعلی سماجی درجہ دینے کی غرض سے افغانستان میں ان جعلسازوں سے ملتے تھے جو جعلی شجرے بناتے تھے۔ ہندوستان آکر ان شجروں کی مدد سے یہ اعلی منصب بھی حاصل کرتے تھے اور مسلمان معاشرے کے باعزت رکن بھی بن جاتے تھے۔

بہرحال جعلسازی کی تحریریں لکھنا آسان کام نہیں۔ اس کیلیے ضروری ہوتا ہے کہ جعلی عبارت لکھنے والا نہ صرف اپنے عہد کے سیاسی حالات سے واقف ہو بلکہ اس کی زبان بھی ماحول کی عکاسی کرتی ہو۔ مثلا بابر بادشاہ کے علاوہ جہانگیر بادشاہ نے بھی اپنی توزک لکھی تھی۔ لیکن اس اصلی توزک کے علاوہ جہانگیر کی ایک جعلی توزک بھی ہے۔ اس میں مصنف نے خود کو جہانگیر بادشاہ بنا کر اپنے عہد کے واقعات لکھے ہیں۔ اگرچہ اس کا جعلی ہونا تو ثابت ہو گیا مگر مورخوں کا کہنا ہے کہ چونکہ اس میں بیان کیے ہوئے واقعات درست ہیں۔ اس لیے ان کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔

موجودہ دور میں مشہور لوگوں کی جعلی ڈائریاں سامنے آئیں ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ جب کسی بادشاہ یا راہنما کے مرنے کے بعد بھی لوگوں کو اس کی موت پر یقین نہیں آتا ہے۔ مرنے والے کی مقبولیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے نام پر کئی جعلی لیڈر پیدا ہوئے۔

روس کی ملکہ کیتھرین دی گریٹ (1796) نے ایک شخص جس کا نام پوگوچوف تھا، اس نے یہ دعوی کیا کہ وہ اس کا شوہر ہے۔ اسے قتل نہیں کیا گیا تھا۔ اور وہ زندہ ہے۔ اس کی بغاوت کو کیتھرین نے سختی سے کچل کر اسے قتل کی سزا دی۔ اگر کسی مقبول راہنما کی موت کا کوئی یقین نہیں کرتا ہے۔ مگر اس کے بارے میں یہ افواہیں گردش کرتی ہیں کہ وہ زندہ ہے اور اپنے آپ کو چھپا کر رکھا ہے۔ یہ بات سبھاش چندر بوس کے لیے کہی جاتی تھی، جو جہاز کے ایک حادثے میں فوت ہو گئے تھے۔ مگر کسی نے انہیں بنگال کے دور دراز گاؤں میں دیکھا اور کسی نے انہیں مندر میں بیٹھا ہوا پایا۔

ہندوستان کے مشہور مورخ "پرتھا چٹر جی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے۔ The Imposter یہ بنگال کے ایک جاگیردار خاندان کی داستان ہے۔ اس کا سربراہ کسی سفر پر روانہ ہوا۔ تو ایک عرصے تک اس کی کوئی خبر نہ آئی۔ پھر یہ افواہیں آئیں کہ اس کی وفات ہوگئی۔ کچھ عرصے بعد ایک شخص نے یہ دعوی کیا کہ وہ مرا نہیں بلکہ وہ زندہ ہے۔ اور اسے اس کی جاگیر دی جائے۔ اس کی بیوی نے اسے اپنا شوہر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جائیداد کا مقدمہ عدالت میں چلا جہاں اس نے یہ ثابت کر دیا کہ وہی جائیداد کا اصل مالک ہے۔

جعلسازی نہ صرف آرٹ میں ہوتی ہے بلکہ مجسموں کو بھی قدیم بنا کر فروخت کیا جاتا ہے۔ جہانگیر کو آرٹ سے بہت دلچسپی تھی اس لیے وہ یورپی سیاحوں سے پینٹنگ منگواتا تھا۔ ایک بار اسے جب ایک یورپی آرٹسٹ کی پینٹنگ پیش کی گئی تو اس نے اپنے دربار کے ایک مصور سے کہا کہ اس کی نقل تیار کرو۔ جب وہ نقل تیار کر کے لایا تو یورپی سیاح بھی اصل اور نقل میں فرق نہ کر سکا۔

مجسمہ تراش کسی تاریخی شخصیت کا مجسمہ بناتے ہیں تو پھر اس کو پرانا ثابت کرنے کے لیے زمین میں دفن کر دیتے ہیں تاکہ اس میں قدیم ہونے کے نشانات ظاہر ہو جائیں۔ ان مجسموں کو یہ Museums اور ان شخصیات کو بیچتے ہیں جنہیں تاریخی اشیا سے دلچسپی ہوتی ہے۔ لیکن اب یہ جعلسازی اس قدر عام ہوگئی ہے۔ کہ اب لوگ ان کے دھوکے میں نہیں آتے ہیں۔

عہدِ وسطی کے یورپ میں جعلسازی کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔ یورپ کے چرچوں نے (Churches) عبادت گزاروں کے لیے اولیا کے تبرکات رکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اس پر جعلسازوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا۔ جس نے اولیا کی قبریں کھود کر ان کی ہڈیاں نکال کر چرچوں کو بیچنا شروع کر دیں۔ یہ جعلسازی اس قدر بڑھی کہ ایک ولی کے تین سر فروخت کئے گئے۔ ایک دوسرے ولی کے چار ہاتھ فروخت کیے گئے۔ یہ کاروبار اس قدر بڑھا کہ یورپ کے ہر چرچ میں بڑے بڑے مرتبانوں میں اِن اولیا کی ہڈیاں رکھی ہوئی ہیں۔ لوگ عبادت گزار اِن کی زیارت کرتے ہیں۔ اگرچہ اب یہ کاروبار ختم ہوگیا مگر اس کے اثرات آج بھی جاری ہیں۔

جعلسازی کی ایک مثال ہم جھوٹی تاریخی دستاویزات، مخطوطات، ڈائریوں اور خطوط کی دے سکتے ہیں، جس کو لکھ کر اور مرتب کر کے جعلساز سیاسی وسماجی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مثلا ڈونیشن آف کونسٹنٹائن، اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ جب 313 عیسوی کو کونسٹنٹائن مسیحی ہوگیا تو اس نے مسیحیت کو ریاست کا مذہب بنا دیا۔ اس موقع پر اس نے بحثیت مسیحی حکمراں، پوپ کے نام ایک دستاویز لکھی جس میں اسے یہ حق دیا کہ وہ مغربی یورپ کے حکمرانوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس دستاویز کی بنیاد پر پوپ یورپ کے حکمرانوں کی سیاست میں مداخلت کرتا رہا۔

☆☆☆☆

کیا آپ انٹرنیٹ کو یا انٹرنیٹ آپ کو چلا رہا ہے؟

جیسا کہ یہ بات عام ہے کہ دنیا میں موجود ہر چیز کے مثبت اثرات سے زیادہ اس کے منفی اثرات موجود ہوتے ہیں۔ یہی نظریہ انٹرنیٹ پر بھی صادق آتا ہے۔ انٹرنیٹ کے جہاں ہزاروں مثبت اثرات ہیں وہیں اس کے کچھ ایسے منفی اثرات ہیں جنہوں نے زمانے میں زہر گھولنے کا کام کیا ہے۔ جس کے باعث انٹرنیٹ ایک نعمت کم اور ایک لعنت کے روپ میں زیادہ ابھرا ہے۔ آج ہم انٹرنیٹ کے انہیں منفی اثرات کو زیرِ بحث لائیں گے، جنہوں سوسائٹی کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ انٹرنیٹ کے وسیع پیمانے پر استعمال نے رازداری اور سلامتی کے بارے میں اہم خدشات کو جنم دیا ہے۔ ذاتی ڈیٹا کی وسیع مقدار کے جمع ہونے کے ساتھ، افراد کی شناخت کی چوری، نگرانی اور سائبر کرائمز کے خطرے تیزی سے پیدا ہوئے ہیں۔ سوشل میڈیا کے پھیلا □ نے ذاتی معلومات کی رازداری کے بارے میں بھی خدشات کو جنم دیا ہے، جس کے نتیجے میں کارپوریشنز اور بدنیتی پر مبنی اداکاردونوں کے ممکنہ استحصال کا سبب بنتے ہیں۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کے ذریعے آن لائن گھوٹالے ہندوستان میں تیزی سے عام ہو گئے ہیں۔ اس کی ایک مثال خاتون ڈاکٹر پونم راجپوت ہیں۔ جسے خود کو پولیس اہلکار بتا کر قریب 4.5 کروڑ روپے کا دھوکہ کیا گیا۔ پولیس حکام کا کہنا تھا کہ ملزم نے خاتون کو اسکائپ کالز پر لے کر اس پورے گھوٹالے کی منصوبہ بندی کی۔ ان گھوٹالوں میں اکثر دھوکہ دہی والے پروفائلز یا پیجز شامل ہوتے ہیں جو منافع بخش سرمایہ کاری کی اسکیمیں، ملازمت کے مواقع، یا رعایتی قیمتوں پر مصنوعات پیش کرتے ہیں۔ متاثرین کو ادائیگی کرنے یا ذاتی معلومات کا اشتراک کرنے کے لیے دھوکہ دیا جاتا ہے، صرف بعد میں یہ احساس کرنے کے لیے کہ ان کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے۔

ماضی قریب کا ذکر کیا جائے تو آئے دن ایسے سینکڑوں واقعات منظر عام پر آتے ہیں جہاں کسی نہ کسی کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا کوئی دھوکہ ہوا ہوتا ہے۔ گزرے دنوں ایسے متعدد واقعات سامنے آئے جہاں کسی معصوم کو کسی نامعلوم نمبر سے فون موصول ہوئے ہیں اور انہیں فون کالز کے ذریعے بلیک میل کیا گیا جس کی وجہ سے ان کو لاکھوں کروڑوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ ضلع پونچھ کی بات کریں تو کچھ ماہ قبل یہاں ایک اپلی کیشن سامنے آئی تھی جس کے مطابق کہا گیا تھا کہ اس کے استعمال سے گھر بیٹھے بیٹھے ٹریڈنگ کی جاسکتی ہے اور لاکھوں روپے کمائے جا سکتے ہیں۔ اسی چال میں پھنس کر پونچھ کے کئی افراد نے اپنے روپے اس اپلی کیشن پر لگائے۔ وقت گزرا اور وہ اپلی کیشن غائب ہوگئی اور ان لوگوں کو اپنے پیسوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ہندوستان میں ای کامرس کی ترقی کے ساتھ، آن لائن شاپنگ کے فراڈ میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ دھوکہ باز جعلی آن لائن اسٹورز قائم کرتے ہیں، کم قیمتوں پر مقبول مصنوعات کی تشہیر کرتے ہیں، اور بھولے بھالے خریداروں سے ادائیگیاں وصول کرتے ہیں۔ تاہم، متاثرین کو کبھی بھی مصنوعات موصول نہیں ہوتیں، اور دھوکہ باز رقم لے کر غائب ہو جاتے ہیں۔ سائبر اسپیس کے باہم مربوط ہونے سے سائبر کرائم کی مختلف شکلوں نے جنم لیا ہے۔ بشمول ہیکنگ، فشنگ، اور میلویئر حملے اہم ہیں۔ یہ خطرات نہ صرف ذاتی معلومات سے سمجھوتہ کرتے ہیں بلکہ اہم بنیادی ڈھانچے جیسے کہ پاور گرڈ اور مالیاتی نظام کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ انٹرنیٹ واقعی ایک حساس میدان ہے، اگر اسے مثبت انداز میں استعمال نہ کیا جائے تو یہ کسی کی زندگی برباد کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ 15 مئی 2023 کو مناس لاہورہ (19) نامی لڑکے کو اپنی سابق گرل فرینڈ کی فحش تصاویر لیک کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ مزید برآں، انٹرنیٹ نے جعلی خبروں، پروپیگنڈے اور سائبر دھونس کو پھیلانے میں سہولت فراہم کی ہے، جس سے افراد کو نقصان پہنچ رہا ہے اور اداروں میں اعتماد کو نقصان پہنچا ہے۔

اس سلسلے میں نام ظاہر نہیں کرنے کی شرط پر ایک صاحب نے بتایا کہ ایک آنلائن ٹریڈنگ اپلی کیشن کے جھانسے میں آ کر انہوں نے اپنے 2 لاکھ روپے گنوا دیئے۔ مزید یہ بتایا کہ میں نے اس اپلی کیشن پر 2 لاکھ روپے کی انوسینٹ کی تھی۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ ایک فرضی سائٹ تھی اور مجھے اپنی محنت کی کمائی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ انٹرنیٹ کے ہی منفی اثرات سے متعلق نام ظاہر نہیں کرنے کی شرط پر ایک اور صاحب نے بتایا کہ کس طرح وہ دن رات سوشل میڈیا کا استعمال کرتے رہے اور آہستہ آہستہ وہ اس کے عادی ہو گئے۔ اور وقت آنے پر انہیں ان کی دماغی صحت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ انٹرنیٹ کے جہاں ہزاروں لاکھوں نقصانات ہیں ان میں سب سے بڑا نقصان معاشرے میں بے حیائی اور عریانیت کا پھیلا □ ہے۔ جو کہ اخلاقی و دینی تباہی اور نوجوانوں کی بے راہ روی اور گمرہی کا سب سے بڑا ذمہ دار ہے۔ دوسرا سب سے بڑا نقصان وقت کا ضیاع ہے۔ وقت کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر انسان اس سے استفادہ کرنے اور اس کو فضولیات و عبثیات میں خرچ کرنے سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے تو بڑے مثبت نتائج حاصل کر سکتا ہے، اور اگر اس کو بے فائدہ اور گھٹیا کاموں میں خرچ کرتا رہا تو وہ ایک بڑے قیمتی سرمائے سے محروم ہو جائے گا۔ انٹرنیٹ کے نقصانات میں سے دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس سے منسلک اکثر لوگوں کے قیمتی اوقات اس کے استعمال کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں۔ وہ گھنٹوں تک بے حس و حرکت ہو کر اس کی اسکرین پر نظریں جما کر بیٹھتے ہیں، اور اکثر غیر ضروری بلکہ نقصان دہ امور کا مشاہدہ کرتے ہوئے ایک ہی نشست میں اپنے قیمتی اوقات میں سے ایک اچھا خاصا حصہ ضائع کر دیتے ہیں اور ان کو اندازہ تک نہیں ہوتا۔ تیسرا اور سب سے بڑا نقصان صحت پر اس کے منفی اثرات کا پڑنا ہے۔ انٹرنیٹ کے زیادہ استعمال سے انسان ذہنی تنا □ کا سب سے زیادہ شکار ہوتا ہے۔

نصابِ تعلیم میں تبدیلی

ملک کے تعلیمی نصاب کو اصلاحات کے نام پر بدلنے کا عمل گزشتہ دنوں شروع ہو چکا ہے۔ نئی قومی تعلیمی پالیسی کی مطابقت میں یہ سارا عمل جاری ہے۔ این سی ای آر ٹی نے سی بی ایس ای کی نصابی کتب سے اہم عنوانات کو حذف کر دیا۔ اس کے لیے یہ تاویل دی جا رہی ہے کہ طلبا کے ذہنی بوجھ کو کم کرنے کے لئے سماجی علم کے نصاب سے شہریت، قومیت، سیکولرازم اور سیاسی پارٹیوں جیسے موضوعات کو نکال دیا گیا۔ ہر عام ہندوستانی جانتا ہے کہ یہ موضوعات نہ صرف طلبا و طالبات کے لئے اہم ہیں بلکہ تمام ہی ہندوستانیوں کے لیے یہ موضوعات بڑی معنویت رکھتے ہیں۔ شہریت جیسے اہم موضوع کو تعلیمی نصاب سے خارج کر دیا جائے تو پھر ملک کی نوخیز نسل اپنے حقوق اور آزادیوں سے کیسے واقف ہو سکے گی۔ وہ ایک ذمہ دار شہری کا رول کیسے ادا کر سکیں گے۔ ان کو بحیثیت شہری کے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کیسے ہوگا؟ جمہوریت میں شہری کو کتنے سیاسی حقوق حاصل ہیں، اس کی جانکاری شہریت کو پڑھے بغیر کیسے سمجھ میں آئے گی۔ اسی طرح قومیت بھی ایک اہم عنوان ہے۔ اس کے ذریعہ آنے والی نسلوں میں ملک سے محبت کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے۔ قومیت کو جانے بغیر طلبا میں حب الوطنی کے جذبات کیسے فروغ دیے جا سکتے ہیں۔ سیکولرازم، ہمارے دستور کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ اس کا شمار دستور کے بنیادی ڈھانچہ میں ہوتا ہے، لیکن این سی ای آر ٹی نے بغیر کسی مشاورت کے سیکولرازم کے موضوع کو بھی نصاب سے خارج کر دیا۔ تعلیمی نصاب میں اس طرح من مانی انداز میں رد و بدل کرنے کی نوبت آخر آئی کیوں؟ موجودہ حکومت کے کارندوں کو تعلیمی نصاب میں اچانک تبدیلیاں لانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ یہ دراصل ایک منصوبہ بند اقدام ہے، تاکہ مستقبل کی نسلیں اپنی آزادی کو استعمال کرتے ہوئے ملک کے جمہوری نظام میں حصہ نہ لیں سکیں۔ ملک کے تعلیمی شعبہ سے چھیڑ چھاڑ کا یہ عمل اسی وقت سے شروع ہو گیا جب پہلی مرتبہ 2014 میں بی جے پی کے ہاتھوں میں اقتدار آیا۔ بی جے پی کے قائدین برسرِ اقتدار آنے کے بعد سے مسلسل اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ کسی بھی طرح ملک کے تعلیمی نظام کو بدل دیا جائے۔ اپنی پہلی میعاد کے ختم ہوتے ہوتے بی جے پی حکومت نے نئی تعلیمی پالیسی کو مدون کرنے کے ارادے سے ایک کمیٹی تشکیل دے دی۔ اس کمیٹی نے بڑی جلد بازی میں ایک نئی تعلیمی پالیسی کا مسودہ تیار کر کے حکومت کے حوالے بھی کر دیا۔ ملک میں پینتیس سال کے طویل عرصہ کے بعد ایک نئی تعلیمی پالیسی کو رائج کرنے کا حکومت نے فیصلہ کیا تھا۔ اس فیصلہ کو نافذ کرنے سے پہلے ملک کے تمام ہی ماہرین تعلیم، سماجی جہد کاروں اور سیاسی قائدین سے مشورے طلب کئے جاتے اور ایک مبسوط اور جامع تعلیمی پالیسی تیاری کی جاتی جس میں ملک کے تمام ہی طبقات کی نمائندگی ہوتی۔ ہر زبان اور مذہب کے ماننے والوں کے جذبات کا لحاظ رکھا جاتا۔ ان ساری باتوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے ایک مخصوص سوچ اور نظریہ کے تحت ایک ایسی تعلیمی پالیسی ملک میں نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو ہندوستانی سماج کے تانے بانے سے قطعی ہم آہنگ نہیں ہے۔ تعلیم کا مقصد طلبا کی ذہنی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے ہوئے ان میں وہ اعلی انسانی اقدار کو فروغ دینا ہوتا ہے جس کے ذریعہ ایک مہذب معاشرہ کی تشکیل ممکن ہو سکے۔ تعلیم، انسانی فکر و عمل کے زاویہ کو بدلنے کا اہم ہتھیار ہے۔ تعلیم کے نام پر طلبا کے ذہنوں کو منتشر کرنے والے عنوانات شامل نصاب کر دیے جائیں تو اس کے بڑے سنگین نتائج نکل سکتے ہیں۔

ملک میں جس قومی تعلیمی پالیسی کا نفاذ عمل میں آ رہا ہے اس کے تعلق سے سماج کے مختلف گوشوں میں بے چینی اور اضطراب کی کیفیت دیکھی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں بی جے پی کی حکومت نہیں ہے وہاں کی ریاستی حکومتوں نے اس پر نظر ثانی کرنے کا مرکزی حکومت سے مطالبہ کیا ہے۔ جن ریاستوں میں کانگریس کی حکومت ہے وہاں اس بات کے امکانات ہیں کہ وہ مرکز کی پالیسی کو روبہ عمل لانے میں جلد بازی سے کام نہیں لیں گے، لیکن جن ریاستوں میں بی جے پی برسر اقتدار ہے وہاں اس کو نافذ کرنے کی تیاری کر لی گئی ہے۔ ریاستوں کو اس بات پر اعتراض ہے کہ تعلیم کا شعبہ، ریاستوں کے زیر انتظام ہے۔ ریاستی حکومتیں تعلیم کے فروغ کے لیے بجٹ مقرر کرتی ہے۔ مرکز، ان سے مشاورت کیے بغیر تعلیمی پالیسی کو سارے ملک میں نافذ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ دراصل وفاقیت کے اصول کے خلاف ہے۔ جن امور کا تعلق ریاستوں سے ہے، واقعی اس بارے میں ریاستوں سے مذاکرات کے بعد ہی اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شروع ہی سے مرکزی حکومت نے ریاستوں سے اس ضمن میں کوئی تجاویز طلب نہیں کیں اور نہ تعلیمی پالیسی کا مسودہ تیار کرتے وقت ریاستوں کو نمائندگی دی گئی۔ طرفہ تماشا یہ کہ پارلیمنٹ میں بھی نئی قومی تعلیمی پالیسی پر کوئی مباحث نہیں ہوئے۔ ایک ایسی پالیسی جس کا تعلق آنے والی نسلوں سے ہو اس پر تو پورے ملک میں مباحث ہونے چاہیے تھے۔ حکومت نے جب اس پالیسی کو عوام کے درمیان میں پیش کیا، اس وقت بھی بہت سارے حلقوں سے اس پر تشویش کا اظہار کیا گیا کہ حکومت ایک مخصوص ذہنیت کے تحت اس تعلیمی پالیسی کو نافذ کرنے کی تیاری کر رہی ہے۔ عوامی ناراضگی کو دیکھتے ہوئے بی جے پی حکومت نے دعوی کیا کہ جو مسودہ منظر عام پر لایا گیا ہے۔ اس میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔ اس ضمن میں تجاویز کو قبول کرنے کا بھی حکومت نے تیقن دیا۔ چنانچہ ماہرین تعلیم اور دیگر حلقوں سے تعلیمی پالیسی میں موجود نقائص کی نشاندہی کی گئی اور یہ بتایا گیا کہ اگر اس تعلیمی پالیسی کو من و عن نافذ کر دیا جائے تو کیا کچھ نقصانات ہو سکتے ہیں۔ حکومت نے تجاویز تو قبول کر لیں لیکن اس پر غور و خوص کیے بغیر اس پالیسی کو پارلیمنٹ میں منظور کر لیا گیا اور پھر ملک میں نافذ کرنے کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ یہ سب کام اس دوران ہوئے جب کہ ساری دنیا کورونا کی عالمی وبا سے پریشان تھی۔ خود ہمارے اپنے ملک میں ہزاروں لوگ کووڈ۔ کا شکار ہو کر ہلاک ہو رہے تھے۔ سارا تعلیمی نظام ٹھپ ہو چکا تھا۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں بند تھیں۔ ایسے وقت جب کہ پورے ملک میں خوف اور دہشت کے سائے بڑھتے جا رہے تھے، ان ناگہانی حالات میں ملک میں ایک نئی تعلیمی پالیسی کے نفاذ کا اقدام حکومت کی نیت کو ظاہر کرتا ہے۔ شہریوں کو موت کے منہ میں سے نکالنے اور ایسے بھیانک وقت اس کی مدد کرنے کے بجائے حکومت ایسے کاموں میں مصروف رہی جس کی اس وقت کوئی ضرورت نہیں تھی۔ حکومت کا منشا اور مقصد یہی تھا کہ بغیر کسی عوامی مباحث کے ایک متنازعہ پالیسی کو ملک میں نافذ کر دیا جائے۔ حکومت اپنے اس مقصد میں کامیاب تو ہو گئی، لیکن آیا یہ تعلیمی پالیسی ملک کو اکیسویں صدی کے تقاضوں کو پورا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔ ملک کے وزیر اعظم نریندر مودی نے بارہا کہا کہ مجوزہ تعلیمی پالیسی ملک کی جڑوں سے جڑی ہوئی ہے۔ اس پالیسی کے ذریعہ آنے والی نسلوں کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کی صدیوں قدیم تہذیب و تمدن نے دنیا کی تاریخ پر کیا اثر ڈالا۔ اس بات کا بھی پتہ چلے گا کہ عہد قدیم میں ہندوستان علوم و فنون کی دنیا میں کتنا ترقی یافتہ تھا۔ وزیر اعظم کے ان دعووں کو ماہرین تعلیم قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ اس لیے مجوزہ تعلیمی پالیسی ہندوستان کو اس پراچین کال میں لے جائے گی، جہاں کسی تہذیب و تمدن کی گنجائش نہیں تھی۔

غاصب صہیونی رژیم کی ناکام حکمت عملیاں

تحریر: اصغرزبرجدی

(صدائے حسینی) طوفان الاقصی آپریشن کی سالگرہ کو چنددن گزرچکے ہیں۔ کچھ حلقے اس بات کا جائزہ لینے میں مصروف ہیں کہ گذشتہ ایک سال کے دوران کون ہارا اور کون جیتا؟ بعض تجزیہ کار وقتی حربوں کو جیت یا ہار کا معیار بنا رہے ہیں، جیسے لبنان میں پیجر دھماکے یا حزب اللہ لبنان کی اعلی سطحی شخصیات کی ٹارگٹ کلنگ یا بعض اہم مراکز پر حملے وغیرہ، اور یوں یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اب تک اسرائیل اس جنگ میں فتح سے ہمکنار ہو چکا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنگ میں فتح یا شکست کا معیار وقتی اقدامات یا حربے نہیں ہوتے بلکہ اسٹریٹیجیز یا حکمت عملیاں ہوتی ہیں۔ تحریر حاضر میں ہم نے ان چند حکمت عملیوں کا جائزہ لیا ہے جو اسرائیل نے گذشتہ سال کے دوران غزہ جنگ اور لبنان کیخلاف بروئے کار لائی ہیں اور بظاہر اسے ان میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنگ میں فتح اسلامی مزاحمت کو ہوئی ہے۔

پہلی حکمت عملی: فتح کا ڈرامہ کرنا : بعض ماہرین کا خیال ہے کہ آج کی دنیا میڈیا کی دنیا ہے اور ذرائع ابلاغ سے جو تصویر پیش کی جاتی ہے اکثر لوگ اسے ہی ذہن میں بٹھا لیتے ہیں۔ لہذا ان کی نظر میں کسی بھی جنگ میں فتح اس فریق کی ہوگی جو عالمی سطح پر میڈیا میں زیادہ اثر و رسوخ کا حامل ہے اور عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعے اپنی مرضی کی تصویر دنیا والوں پر مسلط کر سکتی ہے۔ حق اور باطل اہم نہیں ہے بلکہ عالمی رائے عامہ پر اثر انداز ہونا اہم ہے۔ غزہ جنگ کے آغاز میں غاصب صہیونی رژیم نے مغربی میڈیا مافیا کی مدد سے کچھ عرصے تک کامیابی سے مظلوم نمائی کی اور یہ تاثر دینے میں کچھ حد تک کامیاب رہا وہ حق پر ہے اور اس پر ظلم و ستم ہو رہا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے مظلوم فلسطینیوں پر صہیونی رژیم کے انسانیت سوز مظالم کی شدت بڑھنا شروع ہوئی تو اس کی یہ حکمت عملی شکست کھا گئی اور نہ صرف اسلامی دنیا بلکہ امریکہ سمیت اکثر مغربی ممالک میں فلسطینیوں کے حق میں اور اسرائیل کے خلاف شدید عوامی احتجاج شروع ہو گیا جو اب تک جاری ہے۔

دوسری حکمت عملی: مزاحمتی رہنماوں کی ٹارگٹ کلنگ : اگرچہ مسلح گروہوں اور مخالف نیٹ ورکس کے مرکزی رہنماوں کی ٹارگٹ کلنگ بہت حد تک انہیں کمزور کر دیتی ہے لیکن اسلامی مزاحمتی گروہوں کے خلاف یہ اقدام بہت بڑی غلطی ہے۔ اسلامی مزاحمت کی بنیاد روحانی جذبے پر ہے اور وہ قومی اور بین الاقوامی اقدار پر استوار ہے جبکہ گذشتہ چند سالوں میں انتہائی منظم بھی ہو چکی ہے۔ اس کی واضح ترین مثال غزہ میں اسلامی مزاحمت کی تنظیم حماس ہے۔ اگرچہ صہیونی رژیم بڑی تعداد میں حماس کے رہنماوں کو شہید کر چکی ہے لیکن وہ اب بھی غزہ میں اس کے خلاف ڈٹی ہوئی ہے اور اس پر کاری ضربیں لگانے میں مصروف ہے۔ اس کی دوسری مثال حزب اللہ لبنان ہے جو اپنے اہم اور مرکزی رہنماوں کی شہادت کے بعد بھی بدستور شدید مزاحمت کا مظاہرہ کرنے میں مصروف ہے۔ لہذا اسرائیل کی یہ حکمت عملی بھی ناکام ہو چکی ہے۔

مقبوضہ فلسطین کے اردگرد نو گو ایریا بنانا : ایک غاصب قوت کی جانب سے مزاحمتی طاقتوں سے بچنے کیلئے اپنے اردگرد حصار قائم کرنا انتہائی بے سود اور احمقانہ اقدام ہے۔ اسرائیل کی یہ حکمت عملی نہ تو غزہ میں حماس کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہوئی ہے اور نہ ہی لبنان میں حزب اللہ لبنان کا مقابلہ کرنے میں سودمند ثابت ہوئی ہے۔

خطے اور دنیا میں بحران پیدا کرنا : غاصب صہیونی رژیم ایک فسادی رژیم ہے جو اپنے مذموم مقاصد کیلئے پورے خطے اور دنیا کو بحران کی آگ میں دھکیلنے کی کوشش کرتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک حربہ ہے نہ حکمت عملی اور دوسرا یہ کہ ممکن ہے ابتدا میں کچھ ممالک اپنا دامن بچانے کیلئے صہیونی رژیم کو بھتہ دینے پر تیار ہو جائیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بھتہ خور رژیم کا خاتمہ ہی بہترین راہ حل ہے۔

عوام کو اسلامی مزاحمت کے خلاف اکسانا : ابتدا سے ہی صہیونی رژیم نے مسلمان عوام کو اسلامی مزاحمتی گروہوں سے متنفر کر کے ان کے خلاف اکسانے کی کوشش کی ہے۔ اس مقصد کیلئے صہیونی رژیم غزہ میں عام شہریوں کا قتل عام کرتی ہے، ان کے گھر مسمار کرتی ہے اور انہیں بھوک کا شکار کرتی ہے تا کہ وہ حماس کے خلاف ہو جائیں اور ان تمام مشکلات کا سبب حماس کو قرار دیں۔ بالکل ایسی ہی حکمت عملی لبنان میں حزب اللہ کے خلاف اپنائی گئی ہے۔ لیکن فلسطین اور لبنان کی غیور قوموں نے دشمن کی اس حکمت عملی کو بھی ناکام بنا دیا ہے اور پوری طاقت سے مجاہدین کا ساتھ دینے میں مصروف ہیں۔

جنگ کا دائرہ وسیع کرنا : غاصب صہیونی رژیم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ وہ تزویراتی گہرائی (Strategic Depth) سے عاری ہے جبکہ اسلامی مزاحمت کی تزویراتی گہرائی کا دائرہ فلسطین سے لبنان تک اور شام، عراق اور ایران سے یمن تک پھیلا ہوا ہے۔ لہذا صہیونی دشمن فضائی حملوں کے ذریعے جنگ کا دائرہ اس قدر پھیلا دینا چاہتا ہے کہ دیگر مغربی طاقتیں جیسے امریکہ اور برطانیہ کو بھی اس جنگ میں شریک ہونے کا بہانہ مل سکے۔ لیکن اسلامی مزاحمتی بلاک کی ہوشیاری نے اس کی یہ حکمت عملی بھی ناکام بنا دی ہے۔

تاریخی کہانیوں اور خرافات کا سہارا : بعض صہیونی تجزیہ کار، اور حتی بعض صہیونی حکام جنگ میں اپنی برتری ظاہر کرنے کیلئے جعلی تاریخی روایات اور خرافات کا سہارا لینے میں مصروف ہیں اور یوں وہ اپنے فوجیوں کے حوصلے بلند رکھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی بہت سی تاریخی روایات بھی پائی جاتی ہیں جن میں صہیونیوں کی حتمی شکست اور نابودی کی خبر دی گئی ہے۔ لہذا صہیونی رژیم کی حکمت عملیوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز اس جعلی رژیم کی نابودی کا باعث بنے گی وہ دراصل انہی غلط حکمت عملیوں کو بروئے کار لانا ہے۔ وسیع پیمانے پر عام شہریوں کا قتل عام اور مرکزی رہنماوں کی ٹارگٹ کلنگ جیسے عارضی حربے ممکن ہے وقتی طور پر یہ تاثر دیں کہ ایک فریق جنگ میں غالب آ چکا ہے لیکن جو چیز اصل میں جنگ میں فتح یاب ہونے کا باعث بنتی ہے وہ درست حکمت عملی کا انتخاب ہوتا ہے۔ لہذا یہ غلط حکمت عملیاں آخر کار صہیونی رژیم کو ہمیشہ کیلئے نابود کر ڈالیں گی۔

☆☆☆

شام کا مستقبل

تحریر: سید اسد عباس

شام میں الاسد خاندان کا اقتدار 8 اپنے اختتام کو پہنچا، الاسد جن کا تعلق علوی مسلک سے ہے، ملک میں ایک اقلیت ہیں، جن کی تعداد تقریباً چار لاکھ کے قریب ہے۔ بشار کے والد حافظ الاسد نے اقتدار میں آنے کے بعد سنی اکثریت کو ملک کے سیاسی اداروں کی سربراہی دی جبکہ علویوں کو عسکری عہدوں سے نوازا گیا۔ بشار اپنے والد کی رحلت کے بعد شام کا صدر منتخب ہوا۔ بشار کے اقتدار کے فقط سات روز میں خاتمے کے حوالے سے مختلف تجزیات اور باتیں سامنے آرہی ہیں۔ سہیل وڑائچ روزنامہ جنگ میں لکھتے ہیں "روس کی طاقت اور ایران کی مدد کے باوجود شام کی حکومت کو غیر منظّم باغیوں کے ہاتھوں شکست و ریخت کا سامنا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آج بھی ایک ہی سپر پاور ہے۔ "روزنامہ پاکستان کے اداریہ میں لکھا گیا: "ماضی میں ایران اور اِس سے منسلک عسکری گروپوں نے بھی بشار الاسد کا اقتدار قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کیا تھا، تاہم ایران اِس وقت خطے میں براہِ راست یا پراکسیوں کے ذریعے کسی بھی ٹکرا سے گریز کر رہا ہے، جس کی وجہ سے وہ اِس مرتبہ اپنی عسکری قوت صدر بشار الاسد کے حق میں استعمال نہیں کر پایا۔ روزنامہ دنیا کے اداریہ میں لکھا گیا: "اسد حکومت کے خاتمے کے ساتھ ایران ایک اہم علاقائی اتحادی سے محروم ہو چکا ہے، جس کے اثرات آنے والے وقت میں لبنان میں ایرانی اثر و رسوخ خاص طور حزب اللہ کی عسکری قوت کے حوالے سے سامنے آئیں گے۔ "معروف کالم نگار جاوید حفیظ نے روزنامہ دنیا کے کالم میں لکھا تہران حکومت بشار الاسد کی مضبوط حمایتی تھی اور شامی حکومت بھی ایران کو حزب اللہ کو کمک پہچانے میں مدد کرتی رہی، مگر شام کی اسی فیصد آبادی کا مسلک شافعی سنی ہے اور یہ لوگ اپوزیشن کے حامی ہیں۔ سعود عثمانی لکھتے ہیں "دمشق پر قبضہ بشار الاسد ہی کی نہیں، اس کے حامیوں خاص طور پر ایران اور روس کی بھی بڑی شکست ہے۔ "نصرت جاوید نے نوائے وقت میں اپنے کالم میں لکھا: "شام مسلکی اعتبار سے ایران کے قریب نہ ہونے کے باوجود تہران کا طاقتور ترین حلیف رہا ہے۔ اس کے زمینی راستوں سے ایران لبنان میں اسرائیل کے خلاف ڈٹی حزب اللہ کو نہ صرف جدید ترین اسلحہ پہنچاتا رہا بلکہ شام سمیت لبنان تک بھی اپنا تیل فروخت کرتے ہوئے اپنے خلاف لگائی اقتصادی پابندیوں کا مقابلہ کرتا رہا۔" بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق بشار الاسد کے سقوط کی وجہ درحقیقت ایران سے دور ہونا ہے۔ بی بی سی نے مزید لکھا" کچھ عرصے سے بشار الاسد تنہائی سے نکلنے اور پابندیوں کے خاتمے کے لیے مغرب کو خوش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے ایران کو اندازہ ہوا کہ اسد کا ہونا نہ ہونا مقاومت کے لیے فائدہ مند نہیں۔ بی بی سی کے مطابق بشار الاسد کی فوج میں سپاہیوں کی تنخواہ تقریباً 15 سے 17 ڈالر ماہانہ کے برابر ہے۔ ایک شامی شہری کے مطابق یہ تنخواہ تین دن کے لیے بھی کافی نہیں ہے۔ گذشتہ ہفتے بشار الاسد نے فوجیوں کی تنخواہ 50 فیصد بڑھانے کا اعلان کیا تھا، جس کا مقصد بظاہر فوج کا مورال بلند کرنا تھا، تاہم ایسا لگتا ہے کہ یہ قدم اٹھانے میں شامی حکومت نے کافی دیر کر دی تھی۔ بیروت میں کارنیگی مڈل ایسٹ سینٹر کے سینیئر فیلو ڈاکٹر یزید صیغ کہتے ہیں ایران، حزب اللہ اور روس کی طرف سے براہ راست فوجی امداد روک دیئے جانے کی وجہ سے بھی شامی فوج کا مورال نمایاں طور پر گرا ہے۔ ان کے مطابق شام کے اتحادی اب کی بار اس کی جنگ میں مداخلت بھی نہیں کر پائے۔ ایرانی وزیر خارجہ عباس عراقچی نے مقامی میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا ہے کہ معزول شامی صدر بشار الاسد کے اتحادی ایران کو مداخلت کرنے کے لیے نہیں کہا گیا تھا، کیونکہ باغی دمشق کی جانب طرف بڑھ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم سے کبھی مدد نہیں مانگی گئی، بنیادی طور پر یہ ذمہ داری شامی فوج کی تھی، یہ نہ تو ہماری ذمہ داری تھی اور نہ ہی ہم نے کبھی اسے اپنا فرض سمجھا۔ انھوں نے مزید کہا کہ "حیرت انگیز طور پر شامی فوج باغیوں کی دمشق کی جانب اس پیش قدمی کو روکنے میں ناکام رہی۔" اسرائیلی وزیر اعظم بنیامن نیتن یاہو نے شام میں بشار الاسد کے زوال کو مشرق وسطی کے لیے تاریخی دن قرار دیا اور کہا ہے کہ ایران کی مزاحمت کے محور کی مرکزی کڑی توڑ دی گئی ہے۔ انھوں نے اسرائیل کے زیر قبضہ گولان کی پہاڑیوں کا دورہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ان حملوں کا براہ راست نتیجہ ہے، جو ہم نے اسد کے اہم حامیوں ایران اور حزب اللہ پر کیے ہیں۔ اس اقدام نے پورے مشرق وسطی میں ایک سلسلہ وار ردِعمل شروع کر دیا ہے اور اس جابرانہ حکومت سے آزادی کے خواہاں لوگوں کو بااختیار بنایا ہے۔ بنیامن نیتن یاہو نے یہ بھی اعلان کیا کہ انھوں نے اسرائیلی فوج کو گولان کی پہاڑیوں میں اقوام متحدہ کے زیر نگرانی بفرزون پر قبضہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیتن یاہو نے کہا کہ اسرائیل اور شام کے درمیان 1974 کا علیحدگی کا معاہدہ 50 سال سے جاری تھا، لیکن یہ کل رات ٹوٹ گیا۔ شامی فوج نے اپنی پوزیشنز چھوڑ دیں۔ ہم نے اسرائیلی فوج کو حکم دیا کہ وہ ان پوزیشنوں پر قبضہ کر لیں، تاکہ اسرائیلی سرحد کے ساتھ دشمن افواج کی ممکنہ دراندازی کو روکا جا سکے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ یہ ایک عارضی دفاعی پوزیشن ہے، جب تک کہ اس مسئلے کا کوئی مناسب حل نہیں مل جاتا۔ امریکی صدر جو بائیڈن کا کہنا ہے کہ امریکہ کی شام سے متعلق پالیسی کی وجہ سے مشرقِ وسطی میں طاقت کا توازن تبدیل ہوا ہے۔ روزویلٹ روم سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے شام کے لیے تین جہتی پالیسی کا احاطہ کیا، جس میں اتحادیوں کے لیے امداد، پابندی و سفارتکاری اور فوجی قوت کا استعمال شامل ہے۔ فوجی قوت سے ان کی مراد شام میں موجود امریکی فوج ہے۔ بائیڈن کا کہنا تھا کہ یہ بات واضح ہے کہ نام نہاد دولتِ اسلامیہ بشار الاسد کی حکومت کے جانے کے بعد پیدا ہونے والے خلا کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گی۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ روس نے شام کی صورتحال پر اقوامِ متحدہ کی سکیورٹی کونسل کا ہنگامی اجلاس بلانے کی درخواست کر دی۔ اقوام متحدہ میں روس کے مستقل نائب نمائندے دمتری پولیانسکی نے ٹیلی گرام پر لکھا ہے کہ انھیں امید ہے کہ سوموار کے روز سکیورٹی کونسل کا ہنگامی اجلاس بلایا جائے گا۔ روس کا کہنا ہے کہ وہ شامی حزبِ اختلاف کے گروہوں کے ساتھ روابط بحال رکھے ہوئے ہے اور ان کی جانب سے روس کے فضائی اڈوں کی سکیورٹی کی ضمانت بھی دی گئی ہے۔ تاہم صورتحال اتنی بھی آسان نہیں ہے۔ شام میں ہونے والی پیشرفت پر ایرانی وزارت خارجہ نے بیان جاری کرتے ہوئے کہا "اسلامی جمہوریہ ایران کی وزارت خارجہ نے شام کی حالیہ پیش رفت کے حوالے سے شام کی وحدت، قومی خود مختاری اور ارضی سلمیت کے احترام کے بارے میں ایران اصولی موقف کی یاد دہانی کرواتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ شام کی تقدیر کا تعین اور فیصلہ سازی کسی بیرونی مداخلت کے بغیر شامی عوام کا استحقاق ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جلد از جلد فوجی تنازعات کو ختم کرنے، دہشت گردانہ کارروائیوں کو روکنے اور شامی معاشرے کے تمام شعبوں کی شرکت کے ساتھ قومی مذاکرات شروع کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ ایک جامع حکومت تشکیل دی جائے، جو تمام شامی عوام کی نمائندگی کرے۔

جس کی ابتدا یہ ہو، پھر اس کی انتہا نہ پوچھ

ملک کی اس نئی پارلیمنٹ عمارت میں خصوصی اجلاس کی کارروائی اختتام پذیر ہوچکی ہے، جس کی تعمیر میں آٹھ ارب باسٹھ کروڑ ہندوستانی روپے خرچ کئے گئے ہیں، اس اجلاس کے آغاز میں ہی دو امور ایسے سامنے آئے، جو ہر اس ہندوستانی کے لیے باعث تشویش ہیں، جو واقعی ہندوستانی ہو اور جو ملک کی ترقی، اس کی سلمیت کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہو، پہلا امر یہ ہے کہ دستور ہند کے دیباچہ میں جہاں SOVEREIGN SOCIALIST SECULAR DEMOCRATIC REPUBLIC لکھا ہوا تھا، نئی پارلیمنٹ میں جب بھارت کے آئین کی کاپی تقسیم کی گئی تو اس میں سے دو لفظ SOCIALIST اور SECULAR غائب کردیے گئے تھے۔

یہ واقعی تشویشناک بات ہے؛ اس لیے جب اس پر اعتراض کیا گیا تو حکمراں جماعت کی طرف سے جواب یہ دیا گیا کہ اس کاپی میں وہی بنیادی تمہید ہے، جو 1949 کے آئین کی کاپی میں تھی، دراصل یہ دونوں الفاظ 1976 میں 42ویں ترمیم کے ذریعہ آئین کی تمہید میں شامل کیے گئے تھے، یہ بات تو بالکل درست ہے کہ آئین کی ابتدائی کاپیوں میں یہ الفاظ نہیں تھے اور انیس سو چھہتر میں ان الفاظ کو شامل کیا گیا، اس ضمن میں سوال یہ ہے کہ کیا آئین ہند میں جتنی بھی ترامیم ہوئی ہیں، سب کو کالعدم قرار دے دیا جائے گا؟ کیوں کہ ویکی پیڈیا کے مطابق جولائی 2018 تک آئین میں 124 ترامیم پارلیمنٹ میں پیش کی جاچکی ہیں، جن میں سے 103 ترمیمی قانون بنے ہیں اور خواتین ریزرویشن بل 128واں ترمیمی بل ہے، جو اکثریت کے ووٹ سے 20/ ستمبر 2023 کو پاس ہوچکا ہے، تو کیا حکومت ان تمام ترامیم کو یہ کہہ کر رد کرے گی اور آئین ہند سے نکال باہر کرے گی کہ یہ 1949 کی آئین ہند کی کاپی میں نہیں تھے؟ اصل بات یہ ہے کہ لفظ سیکولر سے آر ایس ایس کو چڑ ہے؛ کیوں کہ وہ ہمیشہ سے اس ملک کے سیکولرزم کو ختم کردینے کی کوشش کرتی رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ جنوری 2020 میں آر ایس ایس کے کنو یز نندکمار نے آئی این ایس کو دیے گئے ایک انٹرویو میں کہا تھا: سیکولرزم ایک مغربی تصور ہے، یہ مغرب سے آیا ہے، جو کہ حقیقت میں پوپ کی بالادستی کے خلاف ہے، انھوں نے کہا کہ: معاشرہ کو کسی بھی سیاسی طبقے سے قطع نظر اس بات پر توجہ دینی چاہیے کہ ہندوستانی آئین کی تمہید میں سیکولر لفظ کو رکھنا چاہیے یا نہیں؟، پھر نندکمار نے خود ہی فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ: آئین ہند کی تمہید میں سیکولر لفظ کا وجود ضروری نہیں ہے اور آئین کے بانی بھی اس کے خلاف تھے۔

گویا لفظ سیکولر پر جو کچھ اعتراض ہوتے تھے، برسر اقتدار پارٹی نے اب اس اعتراض کو ہی ختم کردیا ہے اور اس لفظ کو آئین دروہ کردیا ہے، آئین ہند کی اِس تمہید کو ہٹانے کی جو تمہید برسوں پہلے قائم کی گئی تھی اور وقتاً فوقتاً جس پر بات کر ہی دی جاتی تھی، جیسا کہ نندکمار نے دو ہزار بیس ہی میں اس تعلق سے بیان دیا، اب باقاعدہ وہ کتاب پر چھپ چکی ہے، اور یہ اس بات کی تمہید ہے کہ اب ملک کا سیکولرزم آئینی طور پر بھی ختم ہونے کے قریب ہے؛ کیوں کہ عملی طور پر تو برسوں پہلے اسے ختم کر ہی دیا گیا ہے۔

سیکولرزم کے ختم ہونے سے ہندو راشٹر کا دروازہ کھل چکا ہے، جو آج نہیں تو کل ہو کر رہے گا؛ الا یہ کہ چوبیس کے الیکشن میں ہار ہو جائے؛ لیکن زمینی سطح سے اوپر اٹھ کر آپ اگر میکینکل سطح پر دیکھیں تو ساری شہادتیں اس بات پر ہیں کہ چوبیس انھیں کے پالے میں گرے گا، جو ملک اور اس کی سلمیت کے حق میں کسی طور پر مفید نہیں ہوگا، جس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ملک میں مہنگائی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، بے روزگاری کافی زیادہ ہے، ٹیکس کا بوجھ عوام پر کافی ہے؛ حتی کہ بنیادی ضروریات: کھانے پینے کی اشیا میں بھی ٹیکس لاگو کردیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ ان چیزوں میں کوئی خاص کمی واقع نہیں ہوگی، ہاں ! فسادات ہوں گے، لنچنگ ہوگی، ہندو مسلم کے نام پر مارکاٹ کی جائے گی، نچلے طبقات کو اور زیادہ کچلا جائے گا؛ کیوں کہ ہندو راشٹر کا مطلب ہی طبقاتی نظام کا قیام ہے، جس میں بڑے، بڑے ہی رہیں گے اور چھوٹوں کو چھوٹے رہنے پر مجبور کیا جائے گا، اسی لیے اپوزیشن نے اس پر اعتراض جتایا ہے اور اسے تشویشناک بات قرار دیا ہے، یہ بھی کہا ہے کہ ان کے ارادے مشکوک ہیں۔

یہاں رک کر دو باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے: () کیا آئین میں ترمیم کی جاسکتی ہے؟ اگر ہاں تو کس قسم کی ترمیم؟ اور اس کا طریقہ ٔ کار کیا ہے؟ اس سلسلہ میں خود آئین میں گنجائش دی گئی ہے اور طریقہ ٔ کار بھی بتایا گیا ہے، جو اس طرح ہے: آئین کی ترمیم کی تحریک اس غرض سے پارلیمنٹ کے کسی ایوان میں صرف بل پیش کر کے ہوسکے گی اور جب وہ بل ہر ایک ایوان سے اس ایوان کے جملہ رکنیت کی اکثریت سے اور اس ایوان کے ایسے ارکان کی کم سے کم دو تہائی اکثریت سے منظور ہو جائے، جو موجود ہوں اور ووٹ دیں، اس کو صدر کے پاس پیش کیا جائے گا اور وہ بل کو منظور کرے گا اور تب آئین اس بل کی توضیعات کے مطابق ترمیم شدہ قرار دیا جائے گا؛ بشرطیکہ اگر ایسی ترمیم سے کوئی تبدیلی:) الف (دفعہ:)54 صدر کے انتخاب سے متعلق(، دفعہ:55،) صدر کے انتخاب کے طریقہ ٔ کار سے متعلق(، دفعہ:) 73 یونین کے عاملانہ اختیار کی وسعت سے متعلق(، دفعہ:) 162 ریاست کے عاملانہ اختیار کی وسعت سے متعلق (یا دفعہ:) 241 یونین علاقوں کے لئے عدالت ہائے عالیہ قائم کرنے سے متعلق(یا) ب (حصہ 5 کے باب:) 4 یونین کی عدلیہ سے متعلق(، حصہ 6 کے باب:) 5 ریاستوں میں عدالت ہائے عالیہ سے متعلق (یا حصہ 11 کے باب:) 1 قانون سازی کے اختیارات کی تقسیم سے متعلق(میں، یا) ج (ساتویں فہرست بند کی فہرستوں میں سے کسی فہرست میں، یا) د (پارلیمنٹ میں ریاستوں کی نمائندگی میں، یا) ہ(اس دفعہ کی توضیعات میں، کرنا مقصود ہو تو اس ترمیم کے لیے اس بل کو، جس میں ایسی ترمیم کے لئے توضیع کی گئی ہو، صدر کے پاس منظوری کے لئے پیش کرنے سے قبل کم سے کم نصف ریاستوں کی مجالس قانون ساز کی توثیق بھی ان مجالس قانون ساز کی اس غرض سے منظورہ قراردادوں کے ذریعہ لازمی ہوگی) بھارت کا آئین) مترجم (، دفعہ نمبر:368، ص:(-

مذکورہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ: () آئین میں ترمیم کی جاسکتی ہے۔ () ترمیم کے لئے ایوان بالا اور ایوان زیریں کے اکثر اراکین کی منظوری ہونی چاہیے۔ () آخر میں صدر سے بھی منظوری ضروری ہے۔ () پھر اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ دفعہ:368 میں جن دفعات کا تذکرہ ہے، ان کی رعایت ضروری ہے، اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ آئین ہند کی تمہید سے دو لفظوں: سوشلسٹ اور سیکولر کو ہٹانے کے لیے ایسا کوئی عمل کیا گیا؟ اگر نہیں تو یہ کہنا کہ 1949 کی تمہید کے مطابق یہ تمہید ہے، بہت مضحکہ خیز؛ بل کہ آمرانہ اور نادرشاہی ہے، جس کے لیے ہر ہندوستانی کو نہ صرف تشویش میں مبتلا ہونا چاہئے؛ بل کہ قانونی لڑائی بھی لڑنی چاہیئے، ورنہ پھر ایک طبقاتی نظام کے تحت اپنے آپ کو چلانے کے لیے تیار کر لینا چاہیے۔

بوریت میں تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے!

اگر کوئی آپ سے کہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر آرام سے بیٹھو اور کچھ نہ کرو، تو آپ کا دماغ اسے قبول نہیں کرے گا، بلکہ یہ خیال بار بار آپ کے ذہن میں آئے گا کہ کچھ ادھورے کاموں اور دیگر ضروری کاموں کو کیسے پورا کیا جائے۔

آج کی مصروف زندگی میں یہ عام بات ہے کہ ہر کوئی محسوس کرتا ہے کہ سوشل میڈیا پوسٹس سے لے کر تمام ای میلز کو چیک کرنے، تمام کاموں کو مکمل کرنے اور فیملی کے ساتھ وقت گزارنے تک ہر چیز کے لیے دن کے 24 گھنٹے کم پڑ جاتے ہیں۔

اس دوران ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب آپ کوئی کام نہیں کر رہے ہوتے ہیں، تو آپ تفریح کے لیے اپنے موبائل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ کبھی سوشل میڈیا پوسٹ پر تبصروں کا جواب دینا اور کبھی کچھ اور چیزوں کو تلاش کرنا لیکن یہ بات کسی کے ذہن میں نہیں آتی کہ بور ہونا بھی ایک آسان اور مفید آپشن ہے۔

کچھ لوگ اپنے خیالات اور نظریات کے ساتھ تنہا رہنے کے بجائے خود کو بجلی کا جھٹکا دینا پسند کرتے ہیں۔

یہ بات مشہور سائنس جرنل میں شائع ہونے والی ایک تحقیق میں سامنے آئی ہے۔ ایک تحقیقی تجربے کے حصے کے طور پر، کچھ لوگوں کو ایک کمرے میں 15 منٹ تک اکیلے بیٹھنے پر مجبور کیا گیا۔ ان تمام لوگوں کو بتایا گیا کہ اس دوران انھیں کچھ نہیں کرنا ہے۔ ایک ہی آپشن تھا، ایک بٹن دبانا، جس سے انھیں ہلکے بجلی کے جھٹکے لگیں گے۔

تجربے میں شامل 42 افراد میں سے تقریباً نصف نے کم از کم ایک بار وہ بٹن دبایا، جب کہ انھیں بجلی کے جھٹکے کا احساس پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اس میں ایک ایسا شخص تھا جس نے 15 منٹ تک بیکار بیٹھے رہنے کے دوران 190 بار بٹن دبایا۔ اس تجربے کے بعد تیار کی گئی رپورٹ کے مطابق ایسا لگتا ہے کہ زیادہ تر لوگ بیکار بیٹھے ہوئے بھی کچھ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جسم کا وہ حصہ جو ہمیشہ حرکت میں رہتا ہیہمارا دماغ دراصل چوبیس گھنٹے کام کرتا ہے اور اس کا کام ہمارے سونے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ سونے کے دوران یہ تناؤ پیدا کرنے والے تمام عوامل کو سنتا اور ان کا انتظام کرتا ہے تاکہ آپ اپنی نیند اچھی طرح پوری کر سکیں۔

اس دوران آپ کو خبر نہیں ہوتی، پھر بھی آپ کا دماغ فیصلے کرتا ہے، مسائل کا حل تلاش کرتا ہے اور نئے امکانات کے بارے میں سوچتا ہے۔ یہ حصہ جو ہمارے جسم میں ہمیشہ آن رہتا ہے کبھی بریک یا رخصت نہیں لیتا۔ لیکن نیورو سائنسدان یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے دماغ کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

نیند ایک ایسا ہی عمل ہے، جس میں اگرچہ ہمارا دماغ کام کر رہا ہوتا ہے، لیکن اس دوران یہ خود کو ٹھیک بھی کرتا ہے۔ اسی لیے نیند کا بور ہونا بھی ہماری صحت کے لیے ضروری ہے۔

اطالوی لوگ بور ہونے کی اس خوبی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ یہاں تک کہ وہاں ایک کہاوت بھی ہے کچھ نہ کرنے کا سکھ یہ وہاں کی ثقافت کا ایک حصہ ہے، جس کے تحت لوگ آرام کرتے ہیں اور کچھ نہ کرنیکی صورتحال سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

کچھ نہ کرنے کا مطلب جھپکی لینا نہیں ہے بلکہ اس کے معنی اور بھی گہرے ہیں۔ اس کا حقیقی مطلب ہے کہ اپنے آپ کو روزمرہ کی زندگی کی ہلچل سے الگ کرنا، اپنے اندر جھانک کر دیکھنا، آرام کرنا اور یہ محسوس کرنا کہ آپ حال میں رہ رہے ہیں۔

بوریت میں تخلیقی صلاحیتیں بڑھتی ہیں

نیورو سائنسدان ایلیسیا ووف، جو کہ امریکہ میں رینسلیئر پولی ٹیکنک انسٹیٹیوٹ میں ایک محقق کے طور پر کام کر رہی ہیں، انکا کہنا ہے کہ دماغ کی صحت کیلیے یہ ضروری ہے کہ آپ اپنے آپ کو کبھی کبھار بور ہونے دیں۔ فوربس پنلکیشنز کو دیے گئے اپنے بیان میں ایلیسیا مزید کہتی ہیں، بور ہونے سے ہمارے سماجی تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے۔

بہت سے سوشل نیورو سائنس دانوں کی دریافت سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جب ہم کچھ کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو ہمارے دماغ کی نیٹ ورکنگ سب سے زیادہ فعال ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، تخلیقی خیالات بوریت میں پروان چڑھ سکتے ہیں۔ ذہن میں پیدا ہونیوالے خیالات کو بہتر خیالات میں تبدیل کرنے کا یہ اچھا موقع ہوتا ہے۔

دماغی صحت کیلئے فائدہ مند

اس کی تفصیل بتاتے ہوئے ایلیسیا مزید کہتی ہیں کہ بوریت والے لمحات بھلے ہی ہمیں بے کار، خالی اور غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس دوران تمام حکمت عملی اور مسائل کے حل ہمارے ذہن میں تیرتے رہتے ہیں۔ بہت سے مشہور مصنفین نے دعوی کیا ہے کہ ان کے ذہن میں بہت سے تخلیقی خیالات اس وقت آئے جب وہ نہانے، گھاس کاٹنے یا گھر کا فرنیچر ادھر ادھر کرنے جیسے کام کر رہے تھے۔

2019 میں اکیڈمی آف مینجمنٹ ڈسکوریز میں شائع ہونے والی ایک تحقیق میں ایک اور دلچسپ بات سامنے آئی ہے۔ تحقیق میں شامل محققین نے ایک گروپ کو ان کے رنگ کے مطابق پھلیاں چھانٹنے کا بورنگ کام دیا۔

جبکہ دوسرے گروپ کو اس سے بہتر کام سونپا گیا۔ ٹاسک کے بعد ان دونوں گروپوں کے لوگوں سے کہا گیا کہ وہ دیر سے آنے کے لیے بہترین بہانے تلاش کریں۔ محققین نے پایا کہ جس گروپ کو بورنگ ٹاسک دیا گیا تھا وہ اس گروپ کے مقابلے میں بہتر بہانہ بناتا تھا جسے بہتر ٹاسک دیا گیا تھا۔

برطانوی ماہر نفسیات سینڈی مین کی کتاب آرٹ آف بیئنگ بورڈ کی دلیل بھی ایسی ہی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ بوریت کا احساس اتنا مضبوط اور حوصلہ افزا ہے کہ یہ تخلیقی صلاحیتوں اور سوچ کو بہتر میں اضافہ کر سکتا ہے۔ سینڈی کی رائے میں جب بچے بور ہوتے ہیں تو والدین کو پریشان نہیں ہونا چاہیے بلکہ انھیں چھوڑ دینا چاہیے۔

وہ کہتی ہیں بوریت کے بارے میں اچھی بات یہ ہے کہ آپ کو اس دوران کچھ خاص کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس لیے انھیں اپنی بوریت سے خود ہی لڑنا سیکھنے دیں۔ ان کے اندر کی تخلیقی صلاحیتیں اسی طرح کھل کر سامنے آئیں گی۔ ان کا کہنا ہے کہ بور ہونا اچھا نہیں لگتا لیکن اس دوران ہمارے دماغ کی بیٹری چارج ہوتی ہے۔

بوریت توجہ میں اضافہ کرتی ہے

جس طرح نیند ہمارے دماغ کے لیے مفید ہے، اسی طرح بوریت یا مخمصے کی کیفیت بھی دماغ کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ نیو یارک ٹائمز میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں ٹم کریڈر کا کہنا ہے کہ بیکار بیٹھنا چھٹی جیسی چیز نہیں ہے، یہ ہمارے دماغ کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ہمارے جسم کے لیے وٹامن ڈی۔ امریکہ کے میگزین سائنٹیفک امریکن میں بھی ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس میں بوریت جیسی مبہم صورتحال کے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں ٹم کریڈر کا کہنا ہے کہ کنفیوژن یا الجھن کی کیفیت ہمارے دماغ کے توجہ اور تجسس کو بڑھاتا ہے، اس کی تخلیقی صلاحیتوں اور افادیت میں اضافہ کرتا ہے۔ یہ ہمیں روزمرہ کی زندگی میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرنے اور دیرپا یادیں بنانے میں مدد کرتا ہے۔

سینڈی اپنی کتاب آرٹ آف بیئنگ بورڈ میں لکھتی ہیں کہ روزمرہ کی زندگی کی ہلچل کے درمیان دن میں خواب دیکھنا سکون کی سانس کی طرح ہے۔

موسم گرما اور احتیاطی تدابیر

اپریل سے جولائی تک کے مہینوں میں سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمکتا ہے، جس سے تیز دھوپ اور گرم ہوائیں چلتی ہیں اور جھلسا دینے والی گرمی ہوتی ہے۔ موسمِ گرما میں پسینہ بھی بہت کثرت سے آتا ہے جس کی وجہ سے اپنے قریب کسی کا وجود تو بہت دور کی بات ہے خود اپنا وجود بھی بوجھل بوجھل سا لگتا ہے۔

موسم گرما میں زیادہ تر نرم کپڑوں اور ٹھنڈی چیزوں پر زور رہتا ہے۔ بار بار پانی پینے کو دل چاہتا ہے، پانی پی پی کر پیٹ پھول چکا ہوتا ہے مگر پیاس بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی ہوتی ہے۔ اس موسم میں قوتِ جسمانی کے ساتھ ساتھ آپ کی قوتِ ہاضمہ بھی متاثر ہوتی ہے۔ اس موسم میں صحتِ انسانی فساد کو بہت جلد قبول کرتی ہے۔ اس موسم میں بھوک کی کمی، قے، دست اور پیشاب میں جلن جیسی بیماریوں کے علاوہ پیشاب بھی گہرا زرد آنے لگتا ہے۔ اس موسم میں اپنی غذا پر توجہ دینا بہت ضروری ہے کیونکہ آپ کا نظام ہاضمہ اس موسم میں بری طرح متاثر ہو چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں چٹ پٹے اور مرغن کھانوں کو ہضم کرنے کی قوت بالکل نہیں ہوتی، اس لیے آپ کی سب سے پہلی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ غذا ایسی کھائیں جسے استعمال کرنے میں آپ کا نظام ہاضمہ دشواری محسوس نہ کرے۔ کھانے کے سلسلہ میں ذرا سی بداحتیاطی معدے کے مسائل میں اضافہ کر سکتی ہے اس لیے ہلکی اور جلد ہضم ہونے والی خوراک پر توجہ زیادہ مرکوز رکھیں تاکہ آپ کا نظامِ ہاضمہ درست سمت میں کام کرتا رہے۔ چٹ پٹے اور مرغن کھانے، کڑاہی گوشت، حلیم، مرغ روسٹ، انڈے، نشاستہ دار اشیا، تلی ہوئی تیز مرچ، مصالحہ جات سے بنی ہوئی اشیا آپ کے معدے میں تیزابی مادے پیدا کرتی ہیں اور جسم میں حرارت پیدا کرتی ہیں جس کی وجہ سے اکثر معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی چیزوں سے ہر ممکن پرہیز کیا جائے اور باسی اشیا کا استعمال تو بالکل نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسی اشیا میں خراب ہونے کی صلاحیت بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ معدہ میں جا کر جلد خراب ہو جاتی ہیں یہی نہیں بلکہ اس طرح آپ کے ہاضمہ کے عمل میں بھی نقص واقع ہوگا۔

باسی چیزیں کھانا اس لیے بھی نقصان دہ ہے کہ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ ان پر مکھیاں جلد بیٹھ جاتی ہیں اور ان مکھیوں کے توسط سے جراثیم معدہ میں داخل ہو جاتے ہیں، جس سے قے اور دست کی شکایت بھی عام ہو جاتی ہے۔ اس موسم میں معدے کی بڑھی ہوئی حدت کے باعث مچھلی جیسی گرم غذا ہضم نہیں ہو سکتی۔ اس موسم میں خاص طور پر مئی سے اگست تک انسانی صحت فساد کو بہت جلد قبول کرتی ہے جس سے آپ کو بہت سے اسکن پرابلمز کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے

یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ وہ خود بھی موسمی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی طرف سے پورا پورا اہتمام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موسم گرما میں جو پھل پیدا ہوتے ہیں وہ حرارت کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ سبزیوں اور پھلوں میں کثیر تعداد میں حیاتین موجود ہوتے ہیں، جو قدرتی مدافعتی نظام کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ جسم کو معتدل رکھنے کے لیے ہم موسمی پھلوں اور سبزیوں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔ کدو، گھیا، کریلے، توری، جبکہ پھلوں میں فالسہ پیاس بجھانے کے لیے بہترین پھل ہے۔ اس موسم کے پھل میں کھیرا بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ کھیرے میں قدرت نے گرمی کے توڑ کی بھرپور صلاحیت رکھی ہوئی ہے۔ موسمِ گرما میں بطور سلاد اس کا استعمال کر کے ہم گرمی کے اثرات سے خود کو قدرتی طور پر محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ کھیرا ہمیشہ کھانے کے ساتھ یا کھانے کے بعد کھانا چاہیے۔

کھیرے کا استعمال جیسا کہ ہم سب ہی جانتے ہیں اس طرح کیا جاتا ہے کہ اسے سر کی جانب سے آدھا انچ کاٹ کر ان دونوں حصوں کو آپس میں ملا کر رگڑا جائے تاکہ سفید جھاگ کی صورت میں اس کی تمام کڑواہٹ نکل جائے پھر اسے کاٹ کر اس کے اوپر کی جھلی کو تیز چھری سے چھیل لیں، جب اس کی رنگ دار جھلی الگ ہو جائے تو اس کو پانی سے دھو کر قاشیں کاٹ لیں اور کھانے کے بعد کھائیں۔ گرمی کے موسم کی شدت کی وجہ سے جسم سے پسینہ بہت خارج ہوتا ہے اس لیے اس موسم میں پانی کے استعمال پر توجہ زیادہ رکھنی چاہیے تاکہ جو پانی آپ کے جسم سے پسینہ کی شکل میں خارج ہو چکا ہے وہ دوبارہ آپ کے جسم میں پہنچ جائے۔ پانی کی مناسب مقدار سے نہ صرف جسم کی توانائی قائم رہتی ہے بلکہ جسم کا درجہ حرارت بھی بڑی حد تک معتدل رہتا ہے۔ پسینہ کے ساتھ ساتھ جسم سے نمک کا بھی اخراج ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی کمی کو دور کرنے کے لیے اگر دوسرا کوئی مرض لاحق نہ ہو تو لیموں کا رس تازہ یا ٹھنڈے پانی میں ملا کر پی لیا جائے تو کافی سودمند ثابت ہوگا۔ گھر سے باہر نکلتے وقت دو گلاس پانی ضرور پی لیا کریں۔ پانی کے استعمال سے جسم میں پانی کی کمی بالکل نہیں ہوگی۔

اس موسم میں ٹھنڈے مشروبات جن میں لسی، جوس یا ستو کا شکر ملا شربت، بزوری کا شربت اور لیموں کا رس ٹھنڈے پانی میں تھوڑا سا نمک ملا کر پینا فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ کولڈ ڈرنکس وغیرہ کے ذریعہ گرمی کو شکست دینے کی کوشش کرتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔

کیونکہ یہ کولڈ ڈرنکس بجائے فائدے کے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں اور صحت کے لیے انتہائی مضر ہیں۔ ان سے آپ کو وقتی تسکین تو حاصل ہو جائے گی مگر اس سے آپ کی پیاس کو تسکین حاصل نہیں ہو سکے گی۔

اس موسم میں لوگ برف کا استعمال بھی بہت کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ برف کے استعمال میں بھی اعتدال بہت ضروری ہے۔ چھوٹے بچوں کو خاص طور پر برف کے گولے چوسنے سے منع کریں نہ ہی انہیں کچے آم استعمال کرنے دیں۔ نزلہ، زکام یا کھانسی کی علامات ہوں تو برف کا استعمال انہیں بالکل نہ کرنے دیں۔ برف کے گولے یا کچے آم بچوں کے گلے خراب کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

موسم میں نہ صرف کھانے پینے کا خیال رکھا جاتا ہے بلکہ لباس بھی موسم ہی کے لحاظ سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس موسم میں نرم موٹے اور کھلے ہلکے رنگ والے کپڑے پہننا بہتر ہوتا ہے، ہلکے رنگ حرارت کو کم جذب کرتے ہیں جبکہ گہرے رنگ خاص طور پر سیاہ گہرے یا سیاہ رنگ کے لباس نہ پہنیں جائیں۔ اس موسم میں ہلکے رنگ کا لباس زیادہ بہتر ثابت ہوتا ہے۔ سفید رنگ کا لباس خاص طور پر اس موسم کا بہترین لباس کہلاتا ہے۔ یاد رکھیں نائیلون اور مصنوعی دھاگے والے کپڑے آپ کے لیے سخت نقصان دہ ثابت ہوں گے۔ ان کو پہننے سے جسم میں خارش، پھوڑے پھنسیاں اور دیگر جلدی امراض آپ کو لاحق ہو سکتے ہیں۔ آج کل کلف والے سوتی کپڑوں کا رواج عام ہو گیا ہے، جو موسم گرما میں خاصا تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے۔ اس قسم کے لباس میں ہوا کا گزرنا ممکن ہو جاتا ہے، جسکی وجہ سے اسکا استعمال بہت مشکل ہوتا ہے۔

اس موسم میں کوشش کریں کہ آپ تازہ پانی سے دن میں کم از کم دو مرتبہ ضرور غسل کریں اس سے آپ کو نہ صرف تازگی کا احساس ہوگا بلکہ آپ کے اندر سے پسینہ کی ناخوشگوار بو بھی نہیں آئے گی۔

گرم موسم میں لو لگنا سب سے زیادہ اہم بیماری تصور کی جاتی ہے جسے سن اسٹروک بھی کہا جاتا ہے۔ دھوپ میں باہر نکلنے سے لو لگ جاتی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ آپ تمام دن گھر میں بیٹھے رہیں اور کام کے سلسلے میں باہر نہ نکلیں۔ اس کی ابتدا سر درد سے ہوتی ہے اور پھر بخار چڑھ جاتا ہے۔ ایسی حالت

دماغ میں بند شریانیں

دماغ میں بند شریانوں کی وجوہات

دماغ میں بند شریانوں کی بنیادی وجہ شریانوں میں تختی کا بننا ہے۔ پلاک پروٹین، چکنائی، کیلشیم اور فضلے کے خلیوں سے بن سکتے ہیں۔ تختی کی تشکیل شریانوں کو تنگ کرتی ہے، اور شریانیں سخت اور کم لچکدار ہو جائینگی۔ اس سے دماغ میں خون کا بہاؤ کم ہو جاتا ہے۔ بند شریانیں دوسری بیماریوں کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہیں جو شریانوں کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

دماغ میں بند شریانوں کی علامات

ایک شخص علامات کا تجربہ صرف اس وقت کرسکتا ہے جب شریانیں بند ہو جائیں۔ جب دماغ کو سپلائی کرنے والی شریانیں مکمل طور پر بند ہو جائیں تو ایک شخص فالج کا شکار ہو سکتا ہے۔ اچانک فالج کی وجہ سے ایک شخص دماغی رکاوٹ کی درج ذیل علامات کا تجربہ کرسکتا ہے۔

بولنے اور سمجھنے میں دشواری

ٹانگوں، بازوؤں اور چہرے میں کمزوری۔

چکر آنا اور چکرآنا۔

چہرے کا ایک طرف گرنا

سر میں شدید درد

آپ سرجری کے بغیر بند شریانوں کو کیسے صاف کرتے ہیں؟

سرجری کے بغیر بند شریانوں کو صاف کرنا بعض اوقات طرز زندگی میں تبدیلیوں اور ادویات کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ طرز زندگی میں تبدیلیوں میں سیر شدہ چکنائی، کولیسٹرول اور سوڈیم میں کم دل کی صحت مند غذا کو اپنانا، باقاعدہ ورزش، تمباکو نوشی چھوڑنا، تناؤ پر قابو پانا، اور دیگر صحت کی حالتوں جیسے ہائی بلڈ پریشر، ذیابیطس اور موٹاپا کو کنٹرول کرنا شامل ہیں۔ کولیسٹرول کی سطح کو منظم کرنے، خون کے جمنے کو روکنے اور خون کے بہاؤ کو بہتر بنانے کے لیے سٹیٹن، اینٹی پلیٹلیٹ دوائیں، اور خون کو پتلا کرنے والی دوائیں تجویز کی جاسکتی ہیں۔

دماغ میں بند شریان کتنی سنجیدہ ہے

دماغ میں بند شریان ایک شدید حالت ہے جو فالج کا باعث بن سکتی ہے۔ جب دماغ میں خون کے بہاؤ میں رکاوٹ کی وجہ سے خلل پڑتا ہے، دماغی خلیات کو نقصان پہنچ سکتا ہے یا منٹوں میں مرسکتا ہے۔ رکاوٹ کی شدت نقصان کی حد اور اسکے نتیجے میں ہونیوالی علامات کا تعین کرتی ہے۔

بند شریانوں کی انتباہی علامات کیا ہیں

بند شریانوں (ایتھروسکلروسیس) کی انتباہی علامات متاثرہ شریانوں کے لحاظ سے مختلف ہوسکتی ہیں۔ عام علامات میں سینے میں درد یا دباؤ (انجائنا)، سانس کی قلت، دل کی دھڑکن، اعضا میں کمزوری یا بے حسی، گردن، جبڑے، گلے یا پیٹ میں درد، اور بعض اوقات ہوش میں کمی شامل ہیں۔

کیا شریانوں میں رکاوٹ قدرتی طور پر دور ہوسکتی ہے؟

اگرچہ طرز زندگی میں تبدیلیاں اور ادویات شریانوں میں رکاوٹ کے بڑھنے کو منظم اور سست کرنے میں مدد کرسکتی ہیں، لیکن اہم رکاوٹوں کا مکمل قدرتی حل کم عام ہے۔ طرز زندگی میں تبدیلیاں مزید رکاوٹوں کی تعمیر کو روکنے میں مدد کر سکتی ہیں، لیکن شدید رکاوٹوں میں اکثر طبی مداخلت کی ضرورت ہوتی ہے جیسے انجیو پلاسٹی، سٹینٹ کی جگہ کا تعین، یا بائی پاس سرجری متاثرہ حصے میں خون کے بہاؤ کو بحال کرنے کے لیے۔ دل کا دورہ پڑنے یا فالج جیسی سنگین پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے اگر آپ کو شریان میں رکاوٹ کا شبہ ہے تو طبی امداد حاصل کرنا ضروری ہے۔

دماغ میں بند شریانوں کے خطرے کے عوامل

کچھ لوگوں کو شریانیں بند ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

دماغ میں بند یا بند شریان کے خطرے کے عوامل میں درج ذیل شامل ہیں:

ہائی بلڈ پریشر میں مبتلا افراد کو زیادہ خطرہ ہوتا ہے کیونکہ ہائی بلڈ پریشر شریانوں کو کمزور کر دیتا ہے جس کی وجہ سے شریانیں آسانی سے خراب ہو جاتی ہیں۔

ہائی بلڈ کولیسٹرول دماغ کی شریانوں کے بند ہونے کا ایک اور خطرہ ہے۔

ہائی بلڈ شوگر میں مبتلا افراد کو بھی خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ ہائی بلڈ شوگر ہائی بلڈ پریشر کا سبب بن سکتی ہے اور پلاک بننے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

زیادہ وزن ہونا بھی ہائی بلڈ پریشر اور ذیابیطس کے لیے ایک بڑھتا ہوا خطرہ ہے جس سے ایتھروسکلروسیس یا بند شریانوں کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

جسمانی سرگرمی کی کمی ہائی بلڈ پریشر، موٹاپے اور ہائی بلڈ شوگر کی بڑی وجہ ہے اور اس سے شریانیں بند ہونیکا خطرہ بڑھ سکتا ہے۔

جو لوگ تمباکو نوشی کرتے ہیں ان کی شریانیں بند ہونے کا خطرہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

بڑھتی عمر بھی ایک خطرے کا عنصر ہے کیونکہ بوڑھے لوگوں میں شریانیں سخت ہو جاتی ہیں اور آسانی سے نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

جن لوگوں کی فالج کی خاندانی تاریخ ہے ان میں بند شریانوں میں مبتلا ہونے کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔

دماغ میں بند شریانوں کا علاج

دماغ میں بند شریان کا علاج شخص سے شخص سے مختلف ہوتا ہے . علاج علامات پر مبنی ہے اور آیا کسی شخص کو فالج کا تجربہ ہوا ہے یا نہیں۔

اگر شریانوں میں ہلکی رکاوٹ ہے اور اس کی تشخیص کسی شخص کو فالج کا تجربہ کرنے سے پہلے کی جاتی ہے، تو ڈاکٹر اس شخص کو طرز زندگی میں تبدیلیاں کرنے کا مشورہ دے گا جس میں درج ذیل شامل ہیں:

شریانوں میں تختی بننے کے خطرے کو کم کرنے کے لیے سگریٹ نوشی ترک کر دینی چاہیے۔

جسم کے اعضا کے کام کو بہتر بنانے اور جسمانی وزن کو معمول پر رکھنے کے لیے باقاعدگی سے ورزش کرنی چاہیے۔

ورزش بلڈ پریشر کو کم کرنے اور بلڈ شوگر کو منظم کرنے میں بھی مدد کرتی ہے۔

مدافعتی نظام کو بہتر بنانے کے لیے صحت مند غذا کھانی چاہیے، جس میں سبزیاں اور پھل شامل ہیں۔

ایک اچھا طرز زندگی برقرار رکھتے ہوئے صحت کے دائمی مسائل جیسے ہائی بلڈ پریشر اور ذیابیطس کا انتظام کرنا چاہیے۔

بند شریانوں کا طبی (غیر حملہ آور) علاج: خون کو پتلا کرنیوالے (اینٹی تھرومبوٹک ایجنٹ) عام طور پر ہلکے سے اعتدال پسند فالج کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

بند شریانوں کا جراحی (ناگوار) علاج: اگر کوئی شخص شدید فالج کا شکار ہو تو ڈاکٹر ناگوار علاج کا مشورہ دیگا۔ بند شریانوں سے رکاوٹ کو دور کرنے کے مختلف طریقے ہیں

کیروٹائڈ اینڈارٹریکٹومی: اس طریقے میں، ڈاکٹر آپ کو مقامی یا عام اینستھیزیا دے گا اور گردن میں چیرا لگائے گا۔ ڈاکٹر اسے کھولنے کے بعد شریان سے رکاوٹ کو دور کرے گا۔ شریان میں ٹانکے لگیں گے۔

شریان میں سٹینٹ: بند شریانوں کے علاج کے لیے استعمال ہونے والا دوسرا طریقہ شریان میں سٹینٹ لگانا ہے۔ یہ اختیار ان لوگوں کے لیے موزوں ہے جو سرجری کے لیے زیادہ خطرے میں ہیں یا صحت کے دیگر مسائل کا شکار ہیں۔ اس طریقے میں، ڈاکٹر شریان کو چوڑا کرنے کے لیے ایک غبارے کا استعمال کرے گا۔

شخصیت و کردار میں نکھار

یقین کیجئے !اللہ کا آپ کو قبول کر لینا، انسانوں کے آپ کو قبول کر لینے سے کہیں بہتر ہے۔ اکثر لوگ بوڑھے ہوجاتے ہیں مگر بڑے نہیں ہوتے۔ صرف عمر میں پختگی آتی جاتی ہے، شخصیت میں نہیں۔ عمر رسیدہ ہو جاتے ہیں کردار میں بلندی اور مضبوطی کے قائل نہیں ہوتے۔ بوڑھے اور بڑے انسان میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ایک بڑا انسان ہونا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کی خاطر آپ کو اپنا آپ لوگوں کی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس کے لئے آپ کو لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے، ان کے لئے دلچسپ بننے اور ان کا دل بہلانے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے لوگوں کے آگے دبی دبی سہمی آواز رکھنے، ضرورت سے زیادہ نرم ہونے، ہر وقت جھکے رہنیاور اپنے جذبات چھپانے کے علاوہ نہ ہی آپ کو بہت ہی دوستانہ رویہ بنا کر رکھنے، برجستگی اور زیادہ ہی ملنساری سے ملنے کی کوئی ضرورت ہے۔ آپ کو لوگوں کے لئے پتلا دبلا نظر آنے اور خوبصورت دکھائی دینے کی بھی ضرورت نہیں جس سے آپ انہیں کسی بھی لحاظ سے پرکشش دکھائی دیں۔ آپ کو اپنے آپ کے علاوہ کچھ اور بن کر دکھانے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں اور کبھی بھی کسی کو اس بات کا یقین دلانا نہیں چاہیئے کہ آپ اس قابل ہیں کہ وہ آپ کو اپنے ساتھ رکھیں۔ آپ کے لئے درست اور واقعی آپ کے قدردان لوگ خود ہی آپ کو پہچان لیتے ہیں۔ اس کے لئے کچھ خاص، اپنی فطرت سے ہٹ کر کرنے کی کوئی ضروت نہیں پڑتی۔ یہی لوگ آپ کی قدر کرتے ہیں، احترام سے پیش آتے ہیں اور کبھی آپ کو اپنی فطرت پر سمجھوتے کے لئے مجبور نہیں کرتے۔

اس سے قبل کہ آپ اپنے لئے ستائش اور تعریف حاصل کرنے کی دوڑ میں بھاگنے لگیں، اپنا ذات کا احترام کرنا سیکھ لیں۔ شخصیت میں ایک وقار ہونا بالکل اسی طرح ہے جیسے زندگی کے لئے ہوا، پانی اور خوراک کا ہونا زندگی میں نظم و ضبط کی بنیاد اپنیو جود کی قدر و احترام سے ہی پڑتی ہے اور ایک پروقار شخصیت اپنے نفس کو انکار کرنے کی صلاحیت سے نشو ونما پاتی ہے۔ اس مختصر سی زندگی میں کبھی بھی اطمینان قلب اور کردار کی مضبوطی پر سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ چپ رہ کر کسی قسم کے اظہار اور ردعمل سے خود کو روکے رکھنا ایک کینسر کی طرح انسان کے کردار کو مسخ کر کے اسے بزدل بنا ڈالتا ہے۔ اعلی مقاصد اور حق کے لئے کھڑے نہ ہو پانا کوئی عقلمندی نہیں ہوتی۔ ممکن ہے ہر جنگ جیتی نہ جاسکے مگر سب کو یہ تو صاف پتہ چل جاتا ہیکہ کون اعلی مقصد کی خاطر حق کا ساتھ دینے کے لئے اٹھ کھڑا ہونے کی طاقت رکھتا ہے۔

آپ یہ بات جانتے ہیں کہ لوگ بذات خود برے یا بیوقوف نہیں ہوتے، ان کا غلط رویہ دراصل ان کے خوف اور اضطراب کا نتیجہ ہوتا ہے - آپ بس اپنے آپ کو ہی سب سے اچھا انسان اور دنیا کو بیوقوفوں اور درندوں سے بھرا ہوا سمجھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ صرف نیک بنتے نہیں، واقعی نیک ہو جاتے ہیں۔ شروع میں یہ کافی بے رنگ اور کچھ عجیب سا لگنے لگتا ہے، مگر وقت کے ساتھ ساتھ بہت دلچسپ ہو جاتا ہے۔ آپ یہ بات سیکھ جاتے ہیں کہ جو آپ سوچتے ہیں وہ خود بخود سب کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اس کے لئے آپ کو لوگوں کی ذہنی سطح کے مطابق آسان اور اچھے الفاظ میں سمجھانا ہوتا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ کبھی آپ بھی غلط ہو سکتے ہیں اور اس کو تسلیم کرنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں، اور اس کا برملا اظہار کرنے کی جرات بھی رکھتے ہیں۔ آپ خود اعتمادی محسوس کرتے ہیں، اس لئے نہیں کہ آپ کوئی بڑی ہستی ہیں، بلکہ اس لئے کہ آپ بھی سب لوگوں کی طرح گھبراتے ہیں، ناسمجھی اور بے یقینی کا شکار بھی ہو جاتے ہیں مگر صرف غلطی کرنے سے نہیں ڈرتے، اسے سیکھنے کا عمل سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ سب ہی اپنی اپنی جگہ اور سمجھ کے حساب سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ کسی قسم کے احساس کمتری یا ایسے مغالطے کا شکار نہیں رہتے کہ آپکو جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے اسکے آپ اہل نہیں بلکہ کوئی اور اس کا زیادہ حقدار ہے نا ہی آپ کوئی احساس برتری رکھتے ہیں کیونکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم سب ہی اپنی اپنی زندگی میں اپنا کردار اپنی تمام ترکمیوں اور کمزوریوں کے باوجود کسی نا کسی حد تک ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ اپنے والدین کو کبھی آپکو آپ کی مرضی کے برعکس دنیا میں لانے کا ذمہ دار نہیں سمجھتے اور ہر طرح کی ناراضگی اور غصہ ترک کر کے انہیں بھی اپنے جیسا ہی ایک انسان سمجھتے ہیں جو ایک حد تک خودمختار ضرور ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اپنے حصے کی پابندیاں اور حدود بھی ساتھ لیکر پیدا ہوا ہے۔ جسکی وجہ سے انہیں بھی کئی طرح کی بلاؤں کا سامنا رہتا ہے۔ اپنی شخصیت میں پختگی آنے پر آپ یہ بھی سمجھ جاتے ہیں کہ اپنوں سے کونسا وقت کسی اہم بات کرنے کیلیئے مناسب ہوتا ہے۔ آپ موقع محل دیکھ کر اس وقت بات کرتے ہیں جب وہ بظاہر معمولی مگر ایک حساس اور نازک صورت حال سے نہ گزر رہا ہو، جیسے کسی بات کو لیکر پہلے سے پریشان ہو، یا تھکن کا شکار ہو یا پھر اسکا بلڈ پریشر نارمل سطح سے کم یا بڑھا ہوا ہو یا پھر شوگر کی سطح غیر مناسب درجہ پر ہو تو ہرگز کوئی تکلیف دہ یا پریشان کن بات نہیں کرتے۔

آپ یہ بات بھی سیکھ جاتے ہیں کہ آپکے قریبی لوگوں میں سے کوئی اگر کبھی آپ سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے ضد یا کسی بات کے پیچھے پڑ جاتا ہے تو اس کا مطلب ہر بار آپ کو تنگ کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ شائد کسی بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا بھی ہوسکتا ہے اور شائد انہیں آپ کی توجہ حاصل کرنے کا یہی طریقہ آتا ہو۔

آپ یہ بھی جان لیتے ہیں کہ آپ کے پیاروں کے رویئے میں تبدیلی کی وجہ کوئی مخفی ذہنی الجھن ہوسکتی ہے اور آپ کسی مناسب وقت پر بہت پیار سے اس کی وجہ پوچھنا نہیں بھولتے۔

آپ یوں ہی برا مان جانا اور جھنجھلا اٹھنا چھوڑ کر یہ بات جان لیتے ہیں کہ بات کو دل پر لگا کے رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، بغض اور کینہ صرف بیمار کرتا ہے اور کچھ نہیں۔ چار دن کی مختصر زندگی میں لوگوں سے یہ امید رکھنا چھوڑ دیتے ہیں کہ آپ سے برا منانے کی وجہ خود آ کر پوچھیں گے۔ آپ انہیں سیدھا جا کر بتا دیتے ہیں اور وہ اگر سمجھ جائیں تو معاف بھی کر دیتے ہیں لیکن اگر نہ بھی سمجھیں تو فی الحال ضرور معاف کر دیتے ہیں تا کہ آئندہ کبھی کسی مناسب وقت پر بہتر انداز میں سمجھا سکیں۔

آپ اس حقیقت کو پوری طرح تسلیم کر لیتے ہیں کہ کچھ بھی یوں ہی نہیں کہنا، جو بھی کہنا ہے اس کی پوری ذمہ داری قبول کرنی ہے اور سوچ سمجھ کر بات کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ جن کی آپ کو واقعی پرواہ ہے ان کی اپنی زندگی میں اہمیت کا برملا اظہار نہایت اہم بات ہے اور ان کو اس کا روز احساس دلاتے رہنا چاہیئے۔ آپ زندگی میں کسی بھی چیز کے بےنقص ہونے کی امید نہیں رکھتے۔ نہ کوئی کام بےنقص ہوتا ہے نہ لوگ اور نہ ہی زندگی اپنے درجہ کمال تک ہوتی ہے۔ البتہ رشتے بےنقص ہوسکتے ہیں اگر انہیں توجہ، پیار اور ستائش کے پانی سے سیراب رکھا جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ پہلے جن چیزوں سے آپ مضطرب ہو جایا کرتے تھے اب وہ قابل قبول حد تک بہتر ہو چکی ہیں اس لئے آپ بےنقص کی تلاش کی بجائے قابل قبول کو پسند کرنے لگتے ہیں۔

آپ کسی بھی چیز یا شخص کے بارے میں ضرورت سے زیادہ کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوتے اسی لئے ایک صورت حال کو سنبھال لینے والا، بردبار اور رحمدل انسان بن کر ابھرتے ہیں۔

فالج ۔ اقسام، علامات اور علاج

خون کی فراہمی میں رکاوٹ کی وجہ سے فالج دماغ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ فالج ایک طبی ایمرجنسی ہے۔ فالج کی علامات میں چلنے، بولنے اور سمجھنے میں دشواری اور فالج یا بے حسی چہرے، بازو یا ٹانگ کا۔ ٹشو پلازمینوجن ایکٹیویٹر (ٹی پی اے) کلوٹ بسٹر جیسی ادویات کے ساتھ ابتدائی علاج دماغی نقصان کو کم کر سکتا ہے۔ دیگر علاج پیچیدگیوں کو کم کرنے اور مزید فالج کو روکنے پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

ایک فالج، جسے دماغی حادثہ یا فالج بھی کہا جاتا ہے، اس وقت ہوتا ہے جب دماغ کا ایک حصہ خون کی سپلائی کھو دیتا ہے اور جسم کا وہ حصہ جو خون کی کمی کا شکار دماغی خلیات کے زیر کنٹرول ہوتا ہے کام کرنا بند کر دیتا ہے۔ خون کی فراہمی میں یہ کمی خون کے بہاؤ کی کمی کی وجہ سے اسکیمک ہو سکتی ہے یا دماغی بافتوں میں خون بہنے کی وجہ سے ہیمرج ہو سکتی ہے۔ فالج ایک طبی ایمرجنسی ہے کیونکہ فالج موت یا مستقل معذوری کا سبب بن سکتا ہے۔ اسکیمک اسٹروک کے علاج کے لیے آپشنز موجود ہیں، لیکن فالج کی علامات ظاہر ہونے کے پہلے چند گھنٹوں کے اندر علاج شروع کر دینا چاہیے۔

ایک عارضی اسکیمک حملہ (TIA یا منی اسٹروک) ایک مختصر مدت کے اسکیمک اسٹروک کی وضاحت کرتا ہے جہاں علامات خود بخود غائب ہو جاتی ہیں۔ یہ صورتحال مستقبل میں فالج کے خطرے کو کم کرنے کی کوشش میں ہنگامی تشخیص کی بھی ضرورت ہے۔ تعریف کے مطابق، فالج کو TIA کے طور پر درجہ بندی کیا جائیگا اگر تمام علامات 24 گھنٹوں کے اندر غائب ہو جائیں۔

اسٹروک کی اقسام

اسٹروک تین بڑے زمروں میں آتے ہیں: عارضی اسکیمک اٹیک (TIA)، اسکیمک اسٹروک، اور ہیمر جک اسٹروک۔ یہ زمرے مزید اسٹروک کی دیگر اقسام میں تقسیم ہوتے ہیں، بشمول:

ایمبولک اسٹروک
تھرومبوٹک اسٹروک
intracerebral اسٹروک
subarachnoid اسٹروک

آپ کے فالج کی قسم آپ کے علاج اور بحالی کے عمل کو متاثر کرتی ہے۔

اسکیمک اسٹروک

اسکیمک اسٹروک کے دوران، دماغ کو خون فراہم کرنے والی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں یا بند ہو جاتی ہیں۔ یہ رکاوٹیں خون کے جمنے یا خون کے بہاؤ کی وجہ سے ہوتی ہیں جو شدید طور پر کم ہو جاتی ہیں۔ وہ ایتھروسکلروسیس کے ٹوٹے اور خون کی نالی کو روکنے کی وجہ سے تختی کے ٹکڑوں کی وجہ سے بھی ہو سکتے ہیں۔

اسکیمک اسٹروک کی دو سب سے عام قسمیں تھرومبوٹک اور ایمبولک ہیں۔ تھرومبوٹک اسٹروک اس وقت ہوتا ہے جب دماغ کو خون فراہم کرنے والی شریانوں میں سے کسی ایک میں خون کا جمنا بنتا ہے۔ جمنا خون کے دھارے سے گزرتا ہے اور جم جاتا ہے، جو خون کے بہاؤ کو روکتا ہے۔ ایمبولک اسٹروک اس وقت ہوتا ہے جب جسم کے کسی دوسرے حصے میں خون کا جمنا یا دیگر ملبہ بنتا ہے اور پھر دماغ تک جاتا ہے۔

عارضی اسکیمک حملہ (ٹی آئی اے)

ایک عارضی اسکیمک حملہ، جسے اکثر TIA یا منی اسٹروک کہا جاتا ہے، اس وقت ہوتا ہے جب دماغ میں خون کا بہاؤ عارضی طور پر بند ہو جاتا ہے۔ علامات، جو مکمل اسٹروک کی طرح ہوتی ہیں، عام طور پر عارضی ہوتی ہیں اور چند منٹوں یا گھنٹوں کے بعد غائب ہو جاتی ہیں۔

TIA عام طور پر خون کے جمنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ مستقبل میں فالج کے انتباہ کے طور پر کام کرتا ہے، لہذا TIA کو نظر انداز نہ کریں۔

سی ڈی سی کے مطابق، ایک تہائی سے زیادہ لوگ جو TIA کا تجربہ کرتے ہیں اور علاج نہیں کروا پاتے ہیں کہ وہ ایک سال کے اندر ایک بڑے فالج کا شکار ہو جائیں، TIA کا تجربہ کرنے والے 10 سے 15 فیصد لوگوں کو تین ماہ کے اندر بڑا فالج ہو جاتا ہے۔ .یہاں TIAs کو سمجھنے کا طریقہ اور مستقبل میں مزید سنگین فالج کو روکنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

نکسیر کا فالج

ہیمرج اسٹروک اس وقت ہوتا ہے جب دماغ کی شریان ٹوٹ جاتی ہے یا خون نکلتا ہے۔ اس شریان سے نکلنے والا خون کھوپڑی میں اضافی دباؤ پیدا کرتا ہے اور دماغ کو سوجن کرتا ہے، دماغی خلیوں اور بافتوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

ہیمرج اسٹروک کی دو قسمیں انٹرا سیریبرل اور سبارکنائیڈ ہیں۔ ایک انٹرا سیریبرل ہیمر جک اسٹروک، ہیمر جک اسٹروک کی سب سے عام قسم، اس وقت ہوتا ہے جب دماغ کے ارد گرد کے ٹشوز ایک شریان پھٹنے کے بعد خون سے بھر جاتے ہیں۔ Subarachnoid hemorrhagic فالج کم عام ہے۔ یہ دماغ اور اس کو ڈھانپنے والے ٹشوز کے درمیان کے علاقے میں خون بہنے کا سبب بنتا ہے۔

امریکن ہارٹ ایسوسی ایشن کے مطابق، تقریبا 13 فیصد فالج ہیمرج ہیں۔ ہیمر جک اسٹروک کی وجوہات کے ساتھ ساتھ علاج اور روک تھام کے بارے میں مزید جانیں۔

تھرومبوٹک اسٹروک

جمنے کی وجہ سے دماغ میں شریان کا بند ہونا فالج کی سب سے عام وجہ ہے۔ دماغ کا وہ حصہ جو جمی ہوئی خون کی نالی سے فراہم ہوتا ہے پھر خون اور آکسیجن سے محروم ہو جاتا ہے۔ خون اور آکسیجن کی کمی کے نتیجے میں دماغ کے اس حصے کے خلیے مر جاتے ہیں اور جسم کا وہ حصہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے جسے وہ کنٹرول کرتا ہے۔ عام طور پر، دماغ کی چھوٹی خون کی نالیوں میں سے ایک میں کولیسٹرول کی تختی پھٹ جاتی ہے جمنے کا عمل شروع کر دیتی ہے

دماغ میں خون کی نالیوں کے تنگ ہونے کے خطرے کے عوامل وہی ہیں جو دل اور ہارٹ اٹیک میں خون کی نالیوں کو تنگ کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ان خطرے والے عوامل میں شامل ہیں:

ہائی بلڈ پریشر
کولیسٹرول بڑھنا
ذیابیطس
تمباکو نوشی
ایمبولک اسٹروک

فالج کی ایک اور قسم اس وقت ہو سکتی ہے جب خون کا جمنا یا atherosclerotic تختی کا ایک ٹکڑا ٹوٹ جاتا ہے، خون کے دھارے سے گزرتا ہے، اور دماغ کی شریان میں ٹھہر جاتا ہے۔ جب خون کا بہاؤ رک جاتا ہے تو دماغ کے خلیات کو وہ آکسیجن اور گلوکوز نہیں ملتا جو انہیں کام کرنے کے لیے درکار ہوتا ہے اور فالج کا حملہ ہوتا ہے۔ اس قسم کے فالج کو ایمبولک اسٹروک کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، دل کے چیمبر میں خون کا جمنا اصل میں دل کی بے قاعدہ تال کی وجہ سے بن سکتا ہے، جیسے atrial فبریلیشن .عام طور پر، یہ لوتھڑے دل کی اندرونی استر سے جڑے رہتے ہیں، لیکن کبھی کبھار یہ ٹوٹ سکتے ہیں، خون کے دھارے میں سفر کر سکتے ہیں، دماغ کی شریان کو روک سکتے ہیں اور فالج کا سبب بن سکتے ہیں۔

2026 میں لوک سبھا حلقوں کی نئی حد بندی

☆ 2014 سے ہندوؤں کو آبادی بڑھانے کا مشورہ بے مقصد نہیں تھا۔

☆ جنوبی ریاستوں نے آبادی پر کنٹرول کر کے اقتدار سے ہمیشہ کی محرومی کی سزا پائی۔

☆ پارلیمنٹ کی نئی عمارت کی تعمیر بے مقصد نہیں تھی۔

☆ زعفرانی پارٹی کا نظریہ ہندو خطرے میں ہیں بے مقصد و بے معنی نہیں تھا۔

☆ جنوبی ریاستوں میں شدید ناراضگی پائی جاتی ہے۔

1976 میں مردم شماری کی اساس پر پارلیمنٹ کی 543 نشستیں قرار پائی تھیں۔ پارلیمنٹ کی نشستوں میں اضافہ کی باتیں ہورہی تھیں۔ آخر کار فیصلہ کیا گیا کہ 2026 میں نئی حلقہ بندی ہوگی اور جملہ نشستیں 888 ہوں گی جو آبادی کی اساس پر ہوں گی۔ دریں اثنا آبادی پر کنٹرول کی ترغیب دی گئی اور جنوبی ریاستوں مثلا کیرالا ٹاملناڈو اور کرناٹک نے آبادی پر خاصا کنٹرول حاصل کیا اور آخر کار اس عمل کی ان ریاستوں کو سزا دی گئی جو حلقہ بندی کی صورت میں ابھری۔ اگر 2026 میں نئی حلقہ بندی ہوتی ہے تو جنوبی ریاستیں نقصان اٹھائیں گی اور صرف کیرالا اور ٹاملناڈو ریاستیں 16 نشستوں سے محروم ہوجائیں گی جبکہ شمالی ہندی بیلٹ کی ریاستیں مثلا اتر پردیش کو 26 اور بہار کو بھی دس سے زیادہ نشستوں کا فائدہ ہوگا۔ مدھیہ پردیش راجستھان اترا کھنڈ جھارکھنڈ چھتیس گڑھ دہلی ہریانہ پنجاب میں نئے حلقوں کا قابل لحاظ اضافہ ہوگا۔ گجرات اور مہاراشٹرا میں بھی یہی صورتحال رہے گی۔ جنوبی ریاستوں کے پارلیمانی حلقہ جات سکڑ کر رہ جائیں گے اور ملک پر ہندی زبان بولنے والی ریاستوں کا بول بالا ہوگا اور ملک کا اقتدار انہی کے ہاتھوں میں ہوگا اور جنوبی ریاستیں اپنی سیاسی اہمیت کو کھودیں گی اور ان کی حکومت صرف ان کی ریاستوں تک ہی محدود رہے گی۔ یہ حلقہ بندی (North-South Divide) کی جانب پہلا قدم ہوگا۔ آگے کیا ہوگا اس کا اندازہ لگانا ابھی قبل از وقت ہوگا۔

درحقیقت چانکیہ نیتی تو 2014 سے ہی شروع ہوئی تھی اور انتہائی دور بینی اور دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے زعفرانی حکومت نے وشواہندو پریشد آر ایس ایس بجرنگ دل اور سادھوسنتوں کی تنظیموں کو کھلے عام چھٹی دے رکھی تھی کہ وہ اپنے پروپیگنڈے کا آغاز کریں کہ ملک میں مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہے اور ہندوؤں کی آبادی گھٹ رہی ہے اور اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو بہت جلد مسلمان اس ملک کا اقتدار حاصل کرلیں گے اور ہندو اقلیت میں آجائیں گے لہذا ہر ہندو دس بچے پیدا کرے تا کہ آبادی کا توازن برقرار رہے۔ گودی میڈیا کو نو سال تک کھلی چھوٹ دیدی گئی کہ وہ اس ٹاپک پر Debate جارر کھیں اور ایسے مباحث تمام گودی میڈیا چینلس پر جاری رہے اور آج بھی جاری ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اتر پردیش بہار میں فیملی ویلفیر یا فیملی پلاننگ پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اور ان ریاستوں کی آبادی بے تحاشہ بڑھنے لگی۔ ایسی صورت میں جہاں اتر پردیش میں 80 اسمبلی حلقے تھے ان میں 26 حلقوں کا اضافہ ہوکر جملہ 106 حلقہ جات بن جائیں گے یہی حال دیگر ہندی ریاستوں کا ہوگا جہاں پارلیمانی حلقوں کا بے تحاشہ اضافہ ہوگا اور دوسری جانب جنوبی ریاستیں آبادی پر کنٹرول کی سزا پائیں گی اور ان کے پاس پارلیمانی حلقہ جات سکڑ کر رہ جائیں گے اور وہ پارلیمنٹ میں اپنی حیثیت کھودیں گے۔

Pandemic کے دوران جب ہندوستانی عوام مصیبت میں مبتلا تھے اور WHO کی رپورٹ کے مطابق 50 لاکھ ہندوستانی اپنی جانیں گنوا چکے تھے اور ہر طرف فاقہ کشی بیروزگاری اور مہنگائی کا دور دورہ تھا زعفرانی حکومت نے ہزاروں کروڑ روپیہ برباد کر کے پارلیمان کی عمارت تعمیر کروائی تا کہ 888 لوک سبھا اراکین اور اس سے کچھ کم تعداد میں راجیہ سبھا اراکین کو سہولت بہم پہنچائی جائے۔ 2026 کی حلقہ بندیوں کے بعد ملک میں صرف ہندی بیلٹ کا راج رہے گا اور جنوبی ریاستوں کی آواز سنائی نہیں دے گی۔ جنوبی ریاستیں اقتدار سے دائمی محرومی کی سزا پائیں گی۔

اگر ہندی بیلٹ اور جنوبی ریاستوں کی آبادی کا جائزہ لیا جائے تو جنوبی ریاستیں سیاسی دوڑ میں ہمیشہ پیچھے ہی رہیں گی اور لازمی طور پر اعلی تعلیم یافتہ جنوبی ریاستوں کے عوام اس ناانصافی کو برداشت نہ کرسکیں گے اور اس بات کا امکان ہے کہ یہ ناراضگی کبھی آتش فشاں کی طرح پھوٹ سکتی ہے۔ 1966 میں جب تشکیل دستور کے پندرہ سال بعد ہندی زبان صوبہ مدراس میں لاگو کی گئی تو ساری ریاست مدراس میں ایک آتش فشاں پھٹ پڑا اور سینکڑوں افراد نے خودکشی کرلی اور تمام سرکاری املاک کو نذر آتش کردیا اور انجام کار ہندی زبان کو لاگو کرنے کا فیصلہ واپس لے لیا گیا پھر 1967 کے الیکشن میں انادورائے نے DMK پارٹی کو جیت دلائی پھر اس کے بعد دوبارہ کانگریس ٹاملناڈو میں برسر اقتدار نہیں آئی۔

یہ کیسی عہد شکنی ہے کہ ایک فریق مالا مال ہورہا ہے اور دوسرا فریق منافع سے بالکل محروم

جواب: - آپ کے سوال کی اشاعت نہیں کی جارہی ہے البتہ اس مکتوب کا جواب شائع کیا جارہا ہے۔ مکتوب کی اشاعت کئی مسائل پیدا کرسکتی ہے۔ آپ ایک تجربہ کار رئیل اسٹیٹ تاجر ہیں۔ آپ کو اضلاعِ تلنگانہ خصوصا شہر سے قریب واقع ایک ضلع میں اراضیات کی خرید۔ ان کے ڈیولپمنٹ سرکاری محکمہ جات میں پیروی اور حصولِ منظوری میں آپ کو طویل تجربہ ہے۔ اسی تجربہ کی اساس پر ایک صاحب جو NRI ہیں نے آپ سے ایک (MOU) 2022 میں کیا جس کی مدد سے آپ نے کم وبیش 110 ایکر اراضی ان صاحب کی ایک نامزد خاتون کے نام پر خریدی۔ ان اراضیات کی قیمت کئی سو کروڑ روپیہ ہے ان اراضیات کو ایک خاتون کے نام پر کم وبیش 20-15 رجسٹر شدہ بیع نامہ جات کے ذریعہ خریدا اور از روئے معاہدہ ان اراضیات پر آپ کا ہی قبضہ ہے۔

ان سینکڑوں ایکر اراضیات کی حقیقی قیمت کئی سو کروڑ ہے اور جو رقم رجسٹر شدہ بیع ناموں میں درج ہے وہ بہت ہی کم ہے۔ یہ بھاری رقومات حوالے کے ذریعہ آئیں اور گاوں کے فروخت کنندگان کو ادا کردی گئیں اور وہ رقم جو سرکاری قیمت کے مطابق ہے اسے RTGS یا DD کے ذریعہ ادا کردیا گیا۔ فی الوقت ان اراضیات کے پلاٹس کی قیمت آسمان کو چھورہی ہے۔ یہ اچھی بات ہے کہ اراضیات پر آپ کا ہی قبضہ ہے اور ان کی فروخت کی ذمہ داری بھی آپ پر ہی ہے۔

(MOU) کے مطابق ہر پلاٹ کی فروخت کی حقیقی قیمت کے آپ صرف 15 فیصد کے ہی حقدار ہیں جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ آپ ان اراضیات کی جملہ حقیقی قیمت یا کل رقبہ اراضی کے 15 فیصد حصہ کے حقدار ہیں جو آپ کو مل کر ہی رہے گا۔

آپ نے مزید لکھا ہے کہ ایک غیر مسلم ریڈی طبقہ سے تعلق رکھنے والے ایڈوکیٹ نے آپ کو رائے دی ہے کہ آپ فوری اس ضمن میں کوئی قانونی اقدام کریں اور یہ بھی رائے دی ہے کہ ان معاملات کی اطلاع ED اور IT کو دے دیں۔ ایڈوکیٹ صاحب آپ کے اور فریقِ مخالف کے جانی دشمن نظر آتے ہیں کیوں کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو ساری کی ساری اراضی Benami میں آجائے گی اور ضبط ہوجائے گی اور علاوہ ازیں مقدمات بھی چلیں گے۔

سائبر کرائم: احتیاط ہی واحد حل

ستیش سنگھ

ہندوستان میں سائبر کرائم میں بہت زیادہ تنوع آیا ہے۔تو ڈال ڈال، میں پات پات کی طرز پر مجرم اپنے نئے نئے طریقوں سے سائبر کرائم کو انجام دے رہے ہیں۔نئی موڈس آپرینڈی ہے ڈیجیٹل ہاوس اریسٹ۔اس تکنیک کی مدد سے آن لائن فراڈ میں کافی تیزی آئی ہے۔مثال کے طور پر 11 مئی کو ایک بزرگ ڈاکٹر کو ڈیجیٹل طور پر ہاوس اریسٹ کر کے 45لاکھ روپے ٹھگے گئے۔15اپریل کو اندور میں ایک زوجین کو53 گھنٹوں تک ہاوس اریسٹ کر کے رکھا گیا اور لاکھوں روپے ٹھگے گئے۔6جولائی کو وارانسی میں 3دنوں تک ڈیجیٹل ہاوس اریسٹ کے ذریعہ سوناپورہ کے نہار پروہت کے 28.75لاکھ روپے ٹھگے گئے۔

آج کل آن لائن گیمنگ کے ذریعہ بھی ٹھگی کی جارہی ہے۔کوریئر، رشتہ دار، دوست کی گرفتاری وغیرہ کی دھمکی، فحش ویڈیو وغیرہ نئے نئے طریقوں سے ٹھگی کرنے کی واردات میں تیزی آئی ہے۔اسنیپ چیٹ ،فیس بک اور انسٹاگرام بھی اب ٹھگی کے وسائل بن گئے ہیں۔دوست یا رشتہ دار کی فیک پروفائل بنا کر ایسی ٹھگی کو انجام دیا جارہا ہے۔ریزرو بینک آف انڈیا کی حالیہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مالی سال 2023میں ہندوستان میں 30,000 کروڑ روپے سے زیادہ کی دھوکہ دہی کی گئی اور گزشتہ دہائی میں ریزرو بینک آف انڈیا میں 65017دھوکہ دہی کے معاملات درج ہوئے۔ یہ اعداد وشمار یقینی طور پر خوفزدہ کرنے والے ہیں۔

حالیہ برسوں میں کال فارورڈنگ کے ذریعہ سائبر کرائم کرنے کے واقعات میں قابل ذکر اضافہ ہوا ہے۔ٹیلی کام کمپنیاں صارفین کو کال فارورڈنگ کی سہولت دیتی ہیں، جس کے تحت کال اور ایس ایم ایس کو فارورڈ کیا جاتا ہے۔اس سہولت کا استعمال صارف تک کرتے ہیں، جب میٹنگ یا کسی ضروری کام میں مصروف ہوتے ہیں، تاکہ کوئی ضروری کال مس نہ ہو۔اس کے ذریعہ اسکیمر کال کر کے صارفین کو یہ کہتا ہے کہ ہم آپ کی ٹیلی کام پرووائڈر کمپنی سے بول رہے ہیں۔ہم نے نوٹس کیا ہے کہ آپ کے نمبر پر نیٹ ورک کا مسئلہ ہے۔پریشانی کو دور کنے کے لیے آپ کو اسٹار 401ہیش ٹیگ نمبر ڈائل کرنا ہوگا۔یہ نمبر ڈائل کرنے کے بعد صارف کو انجان نمبر پر کال کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔جیسے ہی صارف کال کرتا ہے، اس کے سبھی کال اور میسیجز اسکیمر کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔محققین کی ایک بین الاقوامی ٹیم نے حال ہی میں ورلڈ سائبر کرائم انڈیکس تیار کیا ہے، جس کے مطابق سائبر کرائم کے معاملات میں ہندوستان دنیا میں 10ویں مقام پر ہے۔اس انڈیکس میں 100ممالک کو شامل کیا گیا ہے۔اس کے مطابق سائبر کرائم کے معاملات میں روس سرفہرست ہے، جبکہ یوکرین دوسرے، چین تیسرے، امریکہ چوتھے، نائیجیریا پانچویں، رومانیا چھٹے اور شمالی کوریا ساتویں مقام پر ہے۔گزشتہ کچھ برسوں سے گوگل سرچ انجن پر لوگ اپنے ہر سوال کا جواب تلاش کررہے ہیں۔اس طرح کی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹھگ فینس پیمنٹ ایپ جیسے گوگل پے، فون پے، پے ٹی ایم کے نام سے اپنا نمبر انٹرنیٹ پر محفوظ کررہے ہیں جس کی وجہ سے خود سے لوگ ہیکرس کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔

اب تو براوزر ایکسٹینشن کی ڈاون لوڈنگ کے ذریعہ بھی سائبر کرائم کیے جارہے ہیں۔یہ کام وائرس کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔پبلک چارجر پورٹ کے ذریعہ سے بھی موبائل اور لیپ ٹاپ وائرس سے متاثر ہوجاتے ہیں۔کروم، موزیلا وغیرہ براوزر کے ذریعہ کیے گئے آن لائن لین دین براوزر کے سرور میں محفوظ ہوجاتے ہیں، جنہیں سیٹنگ میں جاکر ڈیلیٹ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے،لیکن لاعلمی کی وجہ سے لوگ ایسا نہیں کرتے ہیں اور اس کا فائدہ سائبر ٹھگوں کو مل جاتا ہے۔ فشنگ کے تحت کسی بڑی یا معروف کمپنی یا پھر یوزر کی کمپنی کا فیک ویب سائٹ بنا کر،جس کی شکل اصلی ویب سائٹ جیسی ہوتی ہے سے دلکش میل کیے جاتے ہیں،جس میں مفت میں مہنگی چیزیں دینے کی بات کہی گئی ہوتی ہے۔موبائل کے استعمال میں اضافہ کے بعد ہیکرس ایس ایم ایس یا واٹس ایپ کے ذریعہ بھی آفر والے میسیج بھیجتے ہیں،جن میں میل ویئر پر مشتمل ہائپرلنک دیا ہوتا ہے۔میل ویئر،کمپیوٹر یا موبائل یا ٹیب میں انسٹال سافٹ ویئر کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ یوزر کی مالی معلومات جیسے ڈیبٹ یا کریڈٹ کارڈ کی تفصیل، ان کے پاسورڈ، او ٹی پی، موبائل نمبر، ایڈریس، بینک اکاونٹ نمبر،تاریخ پیدائش وغیرہ چوری کرلیتا ہے۔یہ یوزر کی معلومات کے بغیر اس کے ای- میل اکاونٹ سے دوسرے کو فرضی ای- میل بھی بھیج سکتا ہے اور اس کے ذریعہ ٹھگی کرنے کے ساتھ ساتھ حساس معلومات غلط لوگوں کو فروخت بھی کی جاسکتی ہیں۔ساتھ ہی ساتھ،اس کی مدد سے کسی کے سماجی وقار کو بھی داغدار کیا جاسکتا ہے۔

آج کل سائبر کریمنل فون کالس یا ایس ایم ایس کے ذریعہ لوگوں کو بغیر قرض لیے ہی قرض دار بتا کر ان سے پیسوں کی وصولی کررہے ہیں۔ایسی بلیک میلنگ چھوٹی رقم مثلا 2000 سے 5000روپے کے لیے زیادہ کی جارہی ہے، تاکہ معاشی طور پر کمزور لوگ پولیس سے شکایت نہیں کریں۔ لون ریکوری ایجنٹ یہ دھمکی دیتے ہیں، آپ نے ہم سے قرض لیا ہے اور اگر 3-2دنوں میں پیسے واپس نہیں کریں گے تو آپ کی قابل اعتراض تصاویر وائرل کردی جائیں گی یا آپ کے رشتہ داروں یا ساتھ میں کام کرنے والوں کے ساتھ شیئر کردی جائیں گی اور ثبوت کے طور پر وہ موفرڈ فوٹوز اور ویڈیو بھیجتے ہیں۔موبائل ایپ سے لون لینا سودخور یا مہاجن یا ساہوکار سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

کئی بار لون ریکوری ایجنٹ لوگوں سے صرف پیسے ہی نہیں ٹھگتے ہیں، بلکہ معاشرہ میں انہیں بدنام بھی کردیتے ہیں۔اگر لوگ براوزنگ سیشن کے دوران مشکوک پاپ اپ سے الرٹ رہیں اور یقینی کریں کہ ویب سائٹ یا موبائل یا پبلک لیپ ٹاپ یا ڈیسک ٹاپ پر کارڈ کی معلومات شیئر نہیں کریں گے، انجان نمبر یا ای- میل آئی ڈی سے آئے اٹیچ منٹ کو فورا ڈیلیٹ کردیں گے اور آن لائن لاٹری، کیسینو، گیمنگ ،شاپنگ یا فری ڈاون لوڈ والے میسیج کو نظرانداز کریں گے تو فشنگ میل یا ایس ایم ایس یا واٹس ایپ کے ذریعہ فارورڈ ہونے والے مشکوک ہائپر لنک کے جال سے بچا جاسکتا ہے۔ معاملہ میں احتیاط ہی بچاو ہے۔ لالچ نہیں کریں۔یہ سبھی پریشانیوں کی جڑ ہے۔

چیف منسٹر ریونت ریڈی نے نئے ینگ انڈیا پولیس اسکول کا افتتاح کیا

حیدرآباد۔ تلنگانہ کے وزیراعلی اے ریونت ریڈی نے جمعرات کو رنگاریڈی ضلع کے نارسنگی میں منچیر وولا میں ینگ انڈیا پولیس اسکول کا افتتاح کرتے ہوئے اعلان کیا کہ 'ینگ انڈیا 'ان کا برانڈ ہے۔انہوں نے تسلیم کیا کہ ہر وزیر اعلی نے اپنی وراثت بنائی ہے۔آندھراپردیش کے سابق وزیر اعلی این ٹی راما را کی 2-ایک کلو چاول کی اسکیم، حیدرآباد میں چندرابابو نائیڈو کے آئی ٹی انقلاب، اور وائی ایس راج شیکھر ریڈی کے کسان حامی اقدامات کو یاد کرتے ہوئے، ریونت ریڈی نے زور دیا، "آج، میں نے ینگ انڈیا برانڈ کے ساتھ اپنی شناخت بنائی۔" ریونت ریڈی نے کہا کہ ینگ انڈیا برانڈ مہاتما گاندھی سے متاثر ہے، جس میں تعلیم اور روزگار پر بھرپور توجہ دی گئی ہے۔انہوں نے کہا کہ ملک کا مستقبل کلاس رومز میں ہے۔انہوں نے ینگ انڈیا سکلز یونیورسٹی کے قیام پر روشنی ڈالی، جس کا مقصد بے روزگار نوجوانوں کو تکنیکی مہارتوں سے آراستہ کرنا ہے۔معروف انڈسٹریل آنند مہندرا کو یونیورسٹی کا سربراہ مقرر کیا گیا ہے۔ریونت نے یقین دلایا کہ طلبا کو شمولیت پر ملازمت کی حفاظت حاصل ہوگی اور حکومت اسے ہندوستان کی بہترین یونیورسٹی بنانے کے لیے کام کر رہی ہے۔ریونت ریڈی نے کہا کہ اگلے اولمپکس میں تمغے جیتنے کے لیے کھلاڑیوں کو تیار کرنے کے مقصد کے ساتھ ینگ انڈیا اسپورٹس یونیورسٹی اور اکیڈمی کے قیام کے منصوبے کا اعلان کیا۔انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ینگ انڈیا رہائشی اسکول ہر اسمبلی حلقہ میں بنائے جا رہے ہیں، ہر ایک 25 ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے۔چیف منسٹر نے ینگ انڈیا پولیس اسکول کی اہمیت پر زور دیا، جس کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ انتخابی منشور کا حصہ ہے۔ انہوں نے اسے ایک ایسے ادارے کے طور پر تیار کرنے کا عزم کیا جو سینک اسکول کا مقابلہ کر سکے، اور اس کی ترقی کے لیے خاطر خواہ فنڈنگ کا وعدہ کیا۔ریونت ریڈی نے پولیس اسکول کے لیے 100 کروڑ کے کارپس فنڈ کا اعلان کیا اور نجی کمپنیوں پر زور دیا کہ وہ اپنی کارپوریٹ سماجی ذمہ داری کے حصے کے طور پر اپنا حصہ ڈالیں۔سی ایم نے کئی ہندوستانی یونیورسٹیوں کی بنیاد رکھنے پر جواہر لعل نہرو کو خراج تحسین پیش کیا، یہ نوٹ کرتے ہوئے کہ اس طرح کی دور اندیش قیادت نے ہندوستان کو عالمی سطح پر ابھرنے میں مدد کی ہے۔ "صرف چند وزرائے اعظم اور وزرائے اعلی کو یاد رکھا جاتا ہے -وہ جنہوں نے ایسے فیصلے کیے جو تاریخ میں نشان چھوڑ گئے، "انہوں نے نتیجہ اخذ کیا۔انڈسٹریل اور آئی ٹی کے وزیر ڈی سریدھر بابو، ڈی جی پی جتیندر، حیدرآباد پولیس کمشنر سی وی آنند اور دیگر اعلی عہدیداروں نے اس تقریب میں شرکت کی۔

تلنگانہ میں ایس سی طبقوں کی درجہ بندی کا قانون نافذ

حیدرآباد۔ تلنگانہ میں ایس سی طبقوں کی درجہ بندی سے متعلق قانون کو سرکاری طور پر نافذ کر دیا گیا ہے۔ یہ اقدام بابا صاحب ڈاکٹر بھیم راا مبیڈکر کی یومِ پیدائش کے موقع پر کیا گیا، جس کے تحت حکومت نے گزٹ نوٹیفکیشن جاری کر کے اس قانون کو عمل میں لانے کا اعلان کیا ہے۔اس قانون کے تحت ریاست میں درج فہرست ذاتوں (ایس سی) کو دی جانے والی ریزرویشن سہولیات کو نئی درجہ بندی کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے گا۔اس سے قبل تمام ایس سی ذاتوں کو یکساں طور پر ریزرویشن کا فائدہ دیا جا رہا تھا، لیکن اب سے یہ سہولت تین مختلف گروپوں میں تقسیم کر دی گئی ہے، جس کا مقصد سماجی انصاف کو مزید بہتر انداز میں نافذ کرنا ہے۔حکومت کے مطابق، ریاست میں موجود 56 ایس سی ذاتوں کو تین گروپوں میں بانٹا گیا ہے۔ گروپ اے میں 15 ذیلی ذاتوں کو شامل کیا گیا ہے جنہیں مجموعی طور پر 1 فیصد ریزرویشن حاصل ہوگا۔ گروپ بی میں 18 ذاتیں شامل ہیں، جنہیں 9 فیصد ریزرویشن فراہم کیا جائے گا، جب کہ گروپ سی میں 26 ذاتیں شامل کی گئی ہیں، جن کیلئے 5 فیصد ریزرویشن مختص کیا گیا ہے۔اس درجہ بندی کے بعد سرکاری ملازمتوں اور تعلیمی اداروں میں داخلوں کے مواقع انہی گروپوں کی بنیاد پر فراہم کیے جائینگے، اور اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ ہر گروپ کو اسکے سماجی اور تعلیمی پسماندگی کی سطح کے مطابق نمائندگی ملے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ اس فیصلے کا مقصد یہ ہے کہ وہ ذاتیں جو سالوں سے پسماندہ رہی ہیں، انہیں بھی برابری کا موقع ملے اور وہ ترقی کی دوڑ میں شامل ہو سکیں۔

دنیا میں کیا چل رہا ہے؟

تحریر: سید اسد عباس

ویسے تو خدا کی بنائی ہوئی اس کائنات میں ہر وقت کچھ نہ کچھ چلتا رہتا ہے، تاہم بعض واقعات ہماری زیادہ توجہ حاصل کر لیتے ہیں اور ان کے متعلق ہماری دلچسپی بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اطلاعات ہیں کہ ایران اور امریکہ کے مابین ہفتے کو مذاکرات ہونے جا رہے ہیں۔ اب یہ مذاکرات بلواسطہ ہیں یا بلا واسطہ اس بارے میں ابھی تک کوئی درست معلومات موجود نہیں ہیں۔ ٹرمپ کا کہنا ہے کہ یہ مذاکرات بلا واسطہ ہیں، یعنی ایران اور امریکا ایک دوسرے سے بات کریں گے جبکہ ایران کا کہنا ہے کہ عمان کو بطور ثالث رکھا گیا ہے۔ دونوں صورتوں میں خوش آئند بات یہ ہے کہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ٹرمپ اپنی حلف برداری کی تقریب کے دن سے ایران پر دبا کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ انھوں نے ایران پر اقتصادی پابندیاں لگائیں، مشرق وسطی میں ایران کے خلاف فوجی گھیرا تنگ کیا، اپنے جنگی وسائل کو ایران کے اردگرد جمع کر کے یہ تاثر دیا کہ اگر سفارتکاری اور سیاست میں ناکامی ہوئی تو فوجی کارروائی بدیہی ہے۔

امریکا کا واضح موقف ہے کہ ایران کے پاس ایٹمی ہتھیار نہیں ہونے چاہئیں۔ ایران متعدد مواقع پر وضاحت کر چکا ہے کہ وہ ایٹمی ہتھیار نہیں بنانا چاہتا، اس کی ایٹمی ٹیکنالوجی پرامن مقاصد کے لیے ہے۔ ایران سمجھتا ہے کہ امریکا کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی بھی ملک کی سائنسی اور علمی پیشرفت میں رکاوٹ پیدا کرے۔ عالمی ایٹمی ایجنسی کے سربراہ گروسی بھی کہہ چکے ہیں کہ ایران کے پاس ایٹمی ہتھیار نہیں ہیں، تاہم ایران نے یورینیم کو اس حد تک افزودہ کرلیا ہے کہ ایٹمی ہتھیار بنانا اس کے لیے مشکل نہیں۔ ایران کی ایٹمی ٹیکنالوجی کے علاوہ اس کی میزائل اور ڈرون ٹیکنالوجی مغربی قوتوں بالخصوص اسرائیل کے لیے ایک ڈروانا خواب ہیں۔ مشرق وسطی کے امور میں ایران کی حیثیت، لبنان، یمن، عراق اور فلسطین میں ایران کا اثر ورسوخ بھی درج بالا ممالک کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔

ایران فقط دعووں تک محدود نہیں ہے۔ اس نے گذشتہ برس اسرائیل پر دو مرتبہ میزائل اور ڈرونز کے ذریعے حملے بھی کیے، امریکہ کے اڈے عین الاسد پر ایرانی میزائل گر چکے ہیں۔ اسرائیل کے گرد آگ کا گولہ ایرانی کاوشوں کا ہی حصہ ہے۔ اگرچہ اب اس گولے کی حدت پہلے جیسی نہیں رہی، تاہم اب بھی گولہ موجود ہے۔ لبنان میں حزب اللہ، یمن میں حوثی اور عراق میں حشد الشعبی موجود ہیں، جو اسرائیل کے وجود کے لیے ایک مسلسل خطرہ ہیں۔ امریکہ کی کوشش ہے کہ حزب اللہ اور حشد الشعبی سے ہتھیار لے لیے جائیں، وہ حوثیوں پر حملہ آور ہے۔ دوسری جانب امریکہ نے دنیا میں ایک اقتصادی جنگ کا سا ماحول پید کر دیا ہے۔ روسی نشریاتی ادارے آر ٹی کے پروگرام کراس ٹاک میں موجود تجزیہ کاروں کے مطابق ٹرمپ کا دنیا پر ٹیرف کا اطلاق گلوبلائزیشن کا خاتمہ ہے، گذشتہ سو سال میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔

مشرق سے مغرب تک تمام سٹاک مارکیٹیں مندی کا شکار ہیں۔ سرمایہ کار اپنے کاروبار کو از سر نو مرتب کر رہے ہیں۔ معاشی تجزیہ کاروں کا کہنا تھا کہ اس معاشی اقدام کے سب سے برے اثرات چین پر ہوں گے۔ چین نے اگرچہ جوابی ٹیرف کا اطلاق کیا ہے، تاہم اس سے تنا میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوگا۔ دنیا بھر کے سرمایہ کار متبادل منڈیوں کی تلاش میں ہیں۔ کئی ایک ممالک نے ٹیرف پر مذاکرات کے لیے امریکی حکام سے رابطہ کیا ہے۔ ٹرمپ کے اس اقدام کے جہاں معاشی اثرات ہیں، وہیں اس کے سیاسی اثرات بھی ہیں۔ ٹرمپ کا یہ اقدام ایک تیر سے کئی اہداف حاصل کرنے کے مترادف ہے۔

جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں، امریکہ دنیا بھر سے آنے والی مصنوعات کی ایک مستحکم منڈی تھی، جہاں حکومتی ٹیرف کم ہونے کے سبب سرمایہ کاروں کو کم لاگت پر بنی ہوئی اشیا پر زیادہ زر مبادلہ حاصل ہوتا تھا۔ اب ٹیرف میں اضافہ کے ساتھ اشیا کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہوگا۔ سرمایہ کاروں کا منافع بھی کم ہوگا۔ اشیا کی لاگت بڑھنے سے ان کی مانگ میں بھی کمی آئے گی۔ امریکی مصنوعات جو نسبتا سستے داموں دستیاب ہوں گی، ان کی فروخت میں اضافہ ہوگا۔ امریکہ میں نوکریوں، سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا اور اکثر کمپنیاں کوشش کریں گی کہ وہ سستی اشیا بنانے کے لیے امریکہ میں ہی اپنے پیداواری پلانٹس لگائیں۔ وہ اشیا جن کے پلانٹس امریکہ میں لگانے ممکن نہیں، مذاکرات کے ذریعے ٹیرف کی مد میں امریکہ سے چھوٹ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

امریکہ معاشی مراعات کے بدلے سیاسی اہداف کو حاصل کرے گا۔ وہ اپنی معاشی طاقت کو سیاسی مقاصد کے لیے بروئے کار لائے گا۔ امریکا دنیا سے 3.2 ٹریلین ڈالر کی مصنوعات ایکسپورٹ کرتا ہے۔ چین کی امپورٹس 16.5 فیصد ہیں، جن کی لاگت تقریبا 536.3 بلین ڈالر بنتی ہے۔ میکسیکو 454.8 بلین ڈالر، کینیڈا 436.6 بلین ڈالر، جاپان 148.1 بلین ڈالر اور جرمنی 146.6 بلین ڈالر۔ سروسز کی مد میں امریکا تقریبا 680.3 بلین ڈالر کی مصنوعات خریدتا ہے۔ اگر ان تمام امپورٹس پر ٹیرف یا ٹیکس وصول کیا جائے تو امریکی حکومت کے وسائل میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔ فوری طور پر دنیا کے پاس امریکی منڈی کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے، حل یہی ہے کہ امریکی حکام سے بات کی جائے اور ان سے ٹیرف کی مد میں چھوٹ حاصل کی جائے۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں امریکہ از سر نو دنیا میں اپنی طاقت کو منوا سکتا ہے اور اپنے سیاسی اہداف کو حاصل کر سکتا ہے۔

بچوں کو موبائل کی دنیا سے بچائیں

معروف ماہر نفسیات اور یونیورسٹی کے استاد، جناب قدرت اللہ زارعان نے خبردار کیا ہے کہ اسمارٹ ٹیکنالوجی کے بڑھتے استعمال کی وجہ سے بچے جسمانی کھیلوں سے دور ہو کر موبائل فون اور انٹرنیٹ کی دنیا میں کھو گئے ہیں، جس سے ان کی ذہنی، جذباتی اور سماجی نشو ونما متاثر ہو رہی ہے۔ زارعان کا کہنا ہے کہ کھیل صرف وقت گزاری نہیں بلکہ بچوں کی شخصیت سازی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کے لیے ایسے مشغلے منتخب کریں جو ان کی تخلیقی صلاحیتوں، تجسس اور سیکھنے کی صلاحیت کو بڑھائیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ موبائل گیمز اور ورچوئل دنیا کی لت بچوں کو تنہائی، اضطراب اور پرتشدد رویوں کی طرف لے جا سکتی ہے۔ بچوں کو جسمانی حرکت، دوسروں سے بات چیت اور فطری ماحول سے سیکھنے کے مواقع ملنے چاہئیں۔ استاد زارعان نے والدین سے اپیل کی کہ وہ بچوں کے انٹرنیٹ استعمال پر نظر رکھیں اور ان کے لیے فزیکل کھیلوں جیسے ریت میں کھیلنا، خمیری اشیا سے بنانا، پزلز، دوڑنا اور تصویریں بنانا جیسے تخلیقی کھیلوں کا بندوبست کریں تا کہ وہ بہتر سماجی اور ذہنی ترقی حاصل کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ جدید ٹیکنالوجی کے فوائد کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، مگر اس کا بے جا اور غیر منظم استعمال بچوں کی صحت اور تربیت پر منفی اثر ڈال سکتا ہے۔

تلنگانہ کے وزیراعلی ریونت ریڈی نے ملک کے پہلے نائب وزیراعظم وعظیم رہنما بابوجگجیون رام کوشاندارخراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی قومی خدمات کو ہمیشہ سنہری الفاظ میں یاد رکھا جائے گا۔انہوں نے کہا کہ بابوجی نے انتہائی پسماندہ حالات سے نکل کرمحنت اور دیانت داری کے بل پراعلی ترین عہدوں تک رسائی حاصل کی۔وزیراعلی نے مزید کہا کہ بابوجگجیون رام نہ صرف ایک عظیم سیاستدان تھے بلکہ سماجی انصاف اورمساوات کےعلمبردار بھی تھے۔ان کی جدوجہد آج بھی ہراس شخص کے لئےتحریک ہے جوتبدیلی لانے کا عزم رکھتا ہے۔بابوجگجیون رام،جنہیں پیار سے بابوجی کہا جاتا ہے،دلت سماج کے حقوق کے لئے ایک طاقتورآواز تھے۔انہوں نے ہند۔پاکستان 1971 کی جنگ میں وزیردفاع کےطور پراپنی قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا اور 1977 سے 1979 کے دوران نائب وزیراعظم کےطور پرملک کی خدمت کی۔ان کا سیاسی کیریئرکئی دہائیوں پرمحیط رہا جس میں وہ ہمیشہ سماجی مساوات،تعلیم کے فروغ اورمزدور طبقے کی بہتری کے لئے سرگرم رہے۔

6/اپریل کی شب مجلس علمائے ہند کے دفتر،حسینی محلّہ حیدرآباد میں ایک روح پروراور علمی سیمینار کا انعقادعمل میں آیا،جس میں عارف کامل،آیت اللہ سید حسن مسقطیؒ،جوآیت اللہ سید علی قاضی طباطبائی کے ممتاز شاگرد تھے،کی حیات وخدمات کوخراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔یہ پروگرام تنظیم جعفری کے زیرِاہتمام منعقد ہوا،جوصرف علمی وروحانی لحاظ سے نہیں بلکہ جنت البقیع کی شہادت کے خلاف ایک علامتی احتجاج بھی تھا،جس میں اس مقدس قبرستان کی فوری ازسرِنوتعمیر کا پرزور مطالبہ کیا گیا۔اس پرشکوہ اجتماع میں کئی ممتاز علمائے کرام اورمعزز شخصیات شریک ہوئیں،جن میں قابل ذکرمولانا سید تقی رضا عابدی،مولانا مرتضٰی نقوی،مولانا حسن ابراہیمی،سید جعفرحسین(ایڈیٹر،صدائے حسینی)نقی موسوی۔مقررین نے آیت اللہ سید حسن مسقطیؒ کی روحانی بصیرت،علمی کارناموں اوران کی تصوف وعرفان پر گہری نگاہ پرروشنی ڈالی۔ان کے افکار کودینی تعلیمات کے فروغ میں ایک مضبوط ستون قرار دیا گیا۔نشست کا اختتام اجتماعی دعا اور اسلامی ورثے کے تحفظ وتعظیم کے عہد کی تجدید پر ہوا۔

اگر معاشرہ قرآنی ہو تو دشمن حملہ کی جرات نہیں کریگا

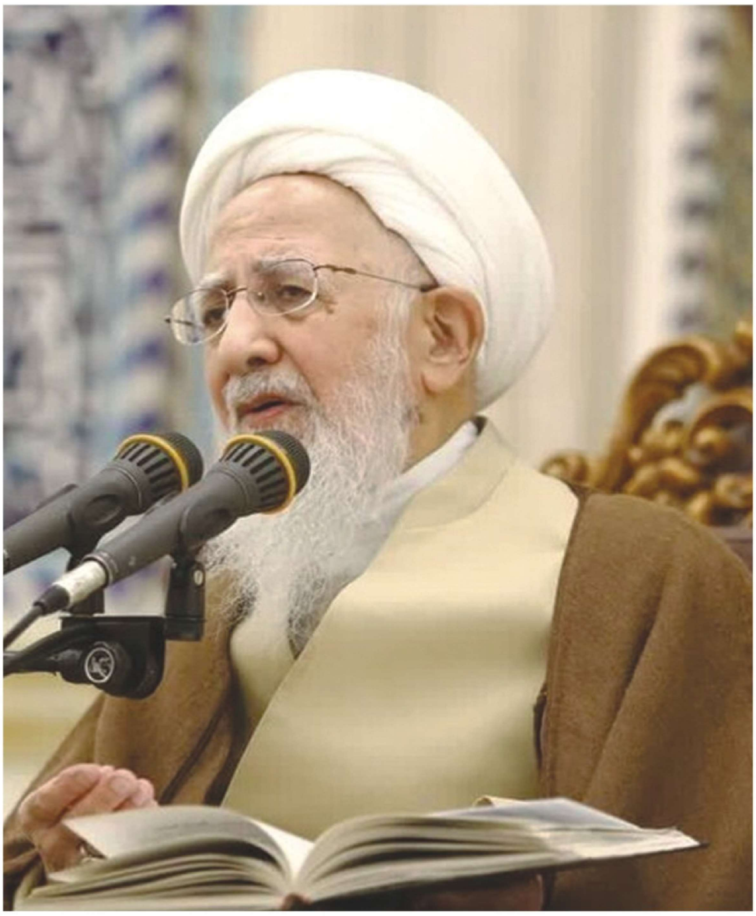

مرجع تقلید آیت اللہ العظمیٰ جوادی آملی نے کہا ہے کہ اگر کوئی معاشرہ حقیقی معنوں میں قرآنی ہو تو دشمن اس پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرے گا۔ آیت اللہ جوادی آملی نے اپنے درس اخلاق میں نہج البلاغہ کی حکمت 147 کی روشنی میں عقل، معرفت اور اسلامی معاشرے کے اقتدار پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ "امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے انسان کو عقل و شعور کے ذریعے صحیح راستہ اختیار کرنے کی تاکید کی ہے، کیونکہ ہر فرد کی دنیاوی زندگی ہی اس کے انجام کا تعین کرتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ 'اسلامی معاشرہ اگر باوقار، منظم اور طاقتور ہو تو دشمن خوفزدہ رہے گا۔ قرآن صرف شب عبادت کے لیے نہیں بلکہ ایک زندہ کتاب ہے جو اسلامی امت کی عملی زندگی میں جاری رہنی چاہیے۔' آیت اللہ جوادی آملی نے قرآن کی روشنی میں امت مسلمہ کے وقار اور دشمن پر رعب طاری کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا: 'خداوند قرآن میں فرماتا ہے: (ترجمہ) دشمن کو تم سے خوف محسوس ہونا چاہیے۔ یہ کوئی اختیاری چیز نہیں بلکہ ایک حتمی اصول ہے۔' انہوں نے مزید کہا کہ 'اقتدار اور عزت کا لازمہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کے اندرونی ڈھانچے میں کرپشن، بدنظمی اور کمزوری نہ ہو، بلکہ نظم و ضبط اور خودداری اس کا خاصہ ہو۔' آیت اللہ جوادی آملی نے ایران کے تاریخی اور علمی پس منظر کو اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ 'یہ ایک عظیم ملت ہے، جہاں سے مفسرین، علمائے دین اور عظیم اسلامی شخصیات نے جنم لیا۔ آج ایران، اہل بیت علیہم السلام کا عالمی پرچم دار ہے اور ہمیں اس عظمت کی قدر کرنی چاہیے۔'